تین ننھے سراغ رساں

ڈھانچوں کے نرغے میں

سلیم احمد صدیقی

تین ننھے سراغ رساں

ڈھانچوں کے جزیرے میں

سلیم احمد صدیقی

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار	۱۹۷۸
تعداد	۴۰۰۰
قیمت	۴روپے

ویران جزیرے میں

”وہ رہا ڈھانچوں کا جزیرہ؟“ عاقِب چلّایا۔

”کہاں ہے۔۔۔۔۔؟ میں بھی دیکھوں ذرا۔“ عنبر نے بے تابی سے عاقِب کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”کدھر ہے؟ بتانا ذرا۔“ نسیم بھی اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا،

اس وقت تینوں ننّھے سراغ رساں ہوائی جہاز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ایک فوکر فرینڈ شپ ہوائی جہاز تھا جو بلوچستان کے ساحل پر واقع ایک چھوٹے

سے شہر گوادر میں اُترنے والا تھا۔ اس سفر کا آغاز بڑے ہی دلچسپ انداز سے ہوا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ تینوں ننّھے سراغ رساں ناشتے سے فارغ ہو کر اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں میٹنگ کر رہے تھے کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو؟" عنبر نے رسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

ہیڈ کوارٹر میں لگے ہوئے لاؤڈ سپیکر کی مدد سے تینوں سراغ رساں ٹیلی فون پر ہونے والی گفت گو صاف سن سکتے تھے۔

"ہیلو! آپ کی ٹرنک کال آئی ہے گوادر سے۔" ایک زنانہ آواز آئی۔

"میں انور بول رہا ہوں۔" ایک اجنبی آواز نے کہا۔ "فلم ڈائریکٹر۔ میں تین ننھے سراغ رسانوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ وہی ڈائریکٹر ہیں جن کے ساتھ میرے ابّو کام کر رہے ہیں۔" نسیم نے بڑے فخر سے بتایا۔

”جی، فرمایئے۔“ عنبر نے کہا۔ "ہم تینوں اس وقت یہاں موجود ہیں۔ آپ سے ہمارا ذکر جلال صاحب نے کیا ہو گا۔“

”ہاں، انہی نے مجھے تم لوگوں کے بارے میں بتایا تھا۔ اس وقت مجھے تم سے ایک بات پوچھنی ہے؟“

”کیا؟“

”کیا تمہیں سمندر میں غوطے لگانا آتا ہے۔“

”جی ہاں۔ ہم پچھلی گرمیوں کی چھٹیوں میں کراچی گئے تھے اور وہاں۔۔۔۔“

”بس بس میں تفصیل نہیں پوچھ رہا۔ میں تم تینوں کو گوادر بُلا رہا ہوں۔ مجھے اصل میں بچوں کی فلم کا ایک بڑا اچھا موضوع سوجھا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں آکر اس فلم میں کام کرو۔“

”لیکن جناب، ہمیں اداکاری وغیرہ تو آتی نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”اس سے

کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس فلم میں تمہیں صرف ساحلِ سمندر کے آس پاس کچھ جزیروں کے نزدیک غوطہ خوری کرنی ہے۔ میں نے فلم بندی کے لیے پانی میں کام کرنے والا ایک کمرا حاصل کر لیا ہے۔"

"معاف کیجیے جناب۔" عنبر نے کہا۔ "اس فلم کا نام کیا ہے۔"

"اس فلم کا نام ہے خزانے کی تلاش اور اس کی ہدایت کاری میں جلال صاحب کے سپرد کر رہا ہوں۔"

"لیکن جناب، وہاں ہم سراغ رسانی کس چیز کی کریں گے؟" عنبر نے ہونٹ نوچتے ہوئے پوچھا۔

"شاباش! تم لوگ واقعی سراغ رساں ہو۔" انور نے کہا۔ "میں نے ابھی تک اصل بات کا اسی لیے ذکر نہیں کیا تھا کہ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ واقعی تم لوگ۔۔۔۔"

"بس تو ٹھیک ہے، جناب۔ معاملہ کچھ بھی کیوں نہ ہو ہم وہاں ضرور آئیں

گے۔ پھر بھی، کیا کوئی خاص بات ہے، جناب؟"

"خاص بات ہے بھی اور نہیں بھی۔" انور نے کہا۔ "یہ تو تم جانتے ہی ہو گئے کہ ہم یہاں فلم 'پکڑو تو جانوں' کے آخری حصّے کی فلم بندی کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ یہ جگہ ہم نے اس بار منتخب کی تھی کہ ساحل سے کچھ فاصلے پر کچھ جزیرے ہیں، جن میں سے ایک نام ڈھانچوں کا جزیرہ ہے۔"

"ڈھانچوں کا جزیرہ؟" عنبر نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ اس علاقے کے جزیروں کی تفصیل تمہیں 'بلوچستان کے جزیرے' نامی کتاب میں مل جائے گی۔ میں نے اس کتاب میں یہاں کا ذکر پڑھ کر اس جگہ کو فلم بندی کے لیے چُنا تھا۔ تو میں یہ بتانے لگا تھا کہ اس جزیرے میں ایک بہت بڑا آسمانی جھولا لگا ہوا ہے اور ساتھ ہی ایک بڑا اسارا گول چکّر بھی ہے اور یہ چیزیں یہاں سال ہا سال سے لگی ہوئی ہیں۔"

"کیوں؟"

”یہ تفصیل تمھیں کتاب میں مل جائے گی۔ بہر حال، اس جزیرے پر ہم اپنی فلم کا آخری سیٹ لگا رہے ہیں اور پر بہت پیارا سین ہو گا۔ ہاں، بات یہ ہے کہ سیٹ لگانے میں ہمیں کچھ مشکلوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ہمارے سامان میں سے کئی بار کچھ چیزیں چرالی گئی ہیں۔ ایک دو بار جزیرے پر جانے والی کشتی میں سوراخ کر دیا گیا۔ اب ہم نے سامان کی حفاظت کے لیے ایک مکرانی چوکیدار رکھ لیا ہے۔ لیکن چیزیں اب بھی کبھی کبھی غائب ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ رفتار کچھ کم ہو گئی ہے۔“

”بس۔ آپ ہمیں فوراً بُلوا لیجیے۔ اللہ نے چاہا تو ہم سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

”خُدا کرے۔“ انور نے کہا۔ ”میں پی آئی اے کو ٹیلے فون کر رہا ہوں۔ تم لوگ ہوائی اڈّے پر پہنچ جاؤ گے۔ گوادر میں میرا آدمی تمھیں جہاز سے اُتار لے گا۔“

”بہتر جناب۔“

”ایک بات اور۔“ انور نے کہا۔ ”یہاں تم لوگوں کی آمد صرف بچّوں کی فلم کے سلسلے میں ظاہر کی جائے گی تاکہ تم اطمینان سے اپنا سراغ رسانی کا کام جاری رکھ سکو۔“

”یہ آپ بہت اچھا کریں گے۔“عنبر نے کہا۔”میں آپ سے خود یہی بات کہنے والا تھا۔“

”اچھا، اب تم لوگ تیاری کرو۔“ انور نے کہا۔ ”اور ہاں جو ائی جہاز میں بیٹھنے سے پہلے بلوچستان کے جزیرے نامی کتاب ضرور لے لینا تاکہ یہاں تک پہنچتے پہنچتے ضروری معلومات اکٹھی کرلو۔“

تینوں سراغ رسانوں نے جلدی جلدی تیاری کی اور راستے میں کتاب خریدتے ہوئے ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔

ہوائی جہاز کے بلند ہوتے ہی انہوں نے کتاب پڑھنا شروع کردی۔ کتاب اتنی مزے دار تھی کہ انہوں نے سفر ختم ہونے سے پہلے پہلے اسے ختم کر لیا۔

چھوٹا سا ہوائی جہاز اب گوادر کے ہوائی اڈّے کے پاس پہنچا ہی چاہتا تھا کہ عاقِب نے نیچے ساحلِ سمندر کے پاس نظر آنے والے جزیروں میں سے ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نسیم اور عنبر کو بتایا کہ وہ رہاڈھانچوں کا جزیرہ۔ عاقِب نے صحیح جزیرے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ نسیم اور عنبر نے بھی اسے پہچان لیا۔

"اس لحاظ سے تو وہ جزیرہ ہاتھ ہو گا۔" عنبر نے ایک جزیرے کی طرف اشارہ کرتے ہے کہا جو پہلے جزیرے کی نسبت خاصا چھوٹا تھا۔

"اور یہ ہڈّیاں ہو گا۔" نسیم نے چند چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بحری قزّاق بھی خوب تھے جنھوں نے ان جزیروں کے ایسے عجیب و غریب نام رکھے۔" عاقِب نے کہا۔

"ذرا دیکھو تو۔" نسیم نے کہا۔ "ہاتھ تو بالکل ہاتھ کی طرح نظر آ رہا ہے۔ اس کا ایک کنارہ اس انداز سے کٹا پھٹا ہے کہ بالکل ہاتھ کی انگلیوں کی

طرح لگتا ہے۔"

"میرا خیال ہے، ہم اس جزیرے پر ایک دن پکنک ضرور منائیں گے۔" عنبر نے کہا۔ "کتاب میں لکھا ہے کہ اس جزیرے کے بیچوں بیچ ایک ایسی جگہ ہے جہاں سے سمندر کا پانی طوفان کے وقت اور اُچھل آتا ہے۔ وہاں سے جزیرہ شاید کھوکھلا ہے۔ میں اس جگہ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

اب جزیرے ان کی نظر سے غائب ہونے لگے تھے۔ کیوں کہ جہاز اترنے لگا تھا۔

"ہو سکتا ہے، انکل جلال ہمیں لینے آئے ہوں۔" عاقِب نے جہاز پر سے اُترتے ہوئے کہا۔

"یہ ضروری نہیں۔" نسیم نے کہا۔ "اگر وہ آئے تو انور صاحب کہتے کہ میں آدمی بھیجوں گا۔ وہ یہ کہتے کہ میں جلال صاحب کو بھیجوں گا۔ آخر وہ یہ تو جانتے ہی ہیں کہ وہ میرے ابّو ہیں۔" نسیم بولا۔

”میرا خیال ہے انکل نہیں آئے ہیں۔“ عنبر نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”البتہ وہ آدمی شاید ہمیں لینے آیا ہے۔“ اس نے ایک چھوٹے سے قد کے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ آدمی بھی انہی کی طرف آ رہا تھا۔

”اے۔۔۔۔ے۔۔۔۔ے! سنو!“ اس نے لڑکوں سے کہا۔

”جی، فرمایئے!“ عنبر نے بڑھتے ہوئے کہا۔

”تم ہی وہ لڑکے ہو جنہیں انور صاحب نے بلایا ہے؟“

”جی ہاں۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم یہاں انور صاحب کی بچّوں کی فلم خزانے کی تلاش میں کام کرنے آئے ہیں۔“

ٹھگنے آدمی نے آنکھ سے اشارہ کیا اور بولا۔ ”میں سب کچھ جانتا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔ باہر کار کھڑی ہے۔“

تینوں لڑکے اس شخص کے پیچھے پیچھے اڈّے سے باہر آ گئے۔ وہ شخص

ڈرائیور کی سیٹ پر اور لڑکے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کار چل پڑی۔

"معاف کیجیے، جناب۔۔۔" عنبر نے کہنا شروع کیا۔

"ساجد۔۔۔۔۔ مجھے ساجد کہتے ہیں۔" اس شخص نے کہا۔

"ساجد صاحب۔" عنبر بولا۔ "میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا آپ انور صاحب کی فلم کمپنی میں ملازم ہیں؟"

"نہیں۔ ملازم تو نہیں ہوں۔ انور صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ہوائی اڈّے جا کر تم لوگوں کو لے آؤں۔ اس وقت اور کوئی آدمی خالی نہیں تھا۔"

"اس وقت انور صاحب گوادر میں نہیں ہیں کیا؟" عاقِب نے پوچھا۔

"وہ اس وقت ڈھانچوں کے جزیرے میں اپنے کیمپ میں ہیں، اور ہم وہیں جا رہے ہیں۔"

شام ہونے والی تھی اور ہوا میں تیزی سی آ چلی تھی۔ ساجد نے کار کی رفتار

بڑھا دی تا کہ جلد سے جلد ساحلِ سمندر پر پہنچ جائے۔ ساحل پر پہنچتے ہی اس نے ایک کشتی کھولی اور لڑکوں کو اس میں بٹھاتے ہوئے بولا۔ ”ہمیں طوفان کے آنے سے پہلے پہلے جزیرے پر پہنچ جانا چاہیے۔ یہاں طوفان بہت زور سے آتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ بعض طوفانی راتوں میں سونی کا بھُوت گول چکّر پر گھومتا ہے۔ ہو سکتا ہے آج بھی وہ بھُوت گول چکر پر گھُومے۔“

لڑکوں نے ایک دوسرے کی طرف سہمی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھا۔ وہ اس سے پہلے کئی بھُوتوں سے مل چکے تھے۔ مثلاً ضیغم کے بھُوت سے اور زمرّد خان کے سبنر بھُوت سے۔

”چلو، اچھا ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم بھی سونی کے بھُوت کو اس بہانے سے دیکھ لیں گے۔“

ساجد زور زور سے ہنسنے لگا۔ ”بھُوت کو دیکھ لو گے؟ ہوں! اگر سچ مچ بھُوت نظر آگیا تو یہاں سے بھاگتے نظر آؤ گے۔“

لڑکی سونی کے بھُوت کا قصّہ کتاب میں پڑھ چکے تھے۔ ڈھانچوں کے جزیرے کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ وہاں ایک بھُوت رہتا ہے جسے سونی کا بھُوت کہتے ہیں۔ اب سے بہت سال پہلے ایک بار موسم بڑا خوش گوار تھا اور ڈھانچوں کے جزیرے میں ایک میلا لگا ہوا تھا، جس میں ایک بڑا گول چکّر اور ایک آسمانی جھولا بھی تھا۔ بچے جھولا جھول رہے تھے اور گول چکّر پر گھوم رہے تھے۔ گول چکّر میں بنے ہوئے جانور اوپر نیچے ہو رہے تھے اور ان پر بیٹھے ہوئے بچے بے حد خوش تھے۔ یعنی میلا پورے جوبن پر تھا۔

اتنے میں اچانک آندھی چلنے لگی، جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ آندھی کے شروع ہوتے ہی سب بچے چکّر سے اُتر کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور جھولا بھی خالی ہو گیا۔ میلا دیکھتے ہی دیکھتے سنسان ہو گیا۔ سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ بس ایک لڑکی سونی چکّر کے گھوڑے پر بیٹھی رہ گئی۔ وہ چیخ رہی تھی کہ میں اپنی باری پوری کر کے اُتروں گی۔ میں اپنی

باری پوری کر کے اُتروں گی۔ صُبح آندھی رُکی تو لوگوں نے دیکھا کہ جزیرہ ویران پڑا ہے۔ سونی کا وہاں نام نشان تک نہیں۔ اسے شاید سمندر کی کوئی ظالم موج بہا کر لے گئی تھی یا ہوا کا تیز تھپیڑا کہیں دور اُڑا کر لے گیا تھا۔ غرض اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا، کسی کو اس کے بارے میں کچھ پتا نہ چلا۔

بس اس کے بعد وہ میلا ہی اُجڑ گیا۔ وہ جزیرہ ہی ویران ہو گیا۔ لیکن اب بھی کبھی طوفانی رات میں سونی کا بھُوت لوگوں کو نظر آتا ہے۔ اسے آس پاس کے رہنے والے مچھیروں نے طوفانی راتوں میں کئی بار چکّر پر دیکھا تھا اور ڈر کر ایک دوسرے سے اس کا ذکر کیا تھا۔ اب یہ بات سارے علاقے میں مشہور تھی۔ لوگ طوفانی راتوں میں اس جزیرے کے پاس سے گزرتے ہوئے ڈرنے لگے تھے۔

"ہمارے سامان کا کیا ہو گا؟ عاقِب نے ساجد سے پوچھا۔ ساجد نے سامان کشتی میں رکھتے بغیر ہی کشتی چلا دی تھی۔

”تم لوگ رہو گے تو گوادر ہی میں۔“ ساجد نے کہا۔ ”اس لیے تمہارا سامان کار ہی میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ تمھیں کیمپ کے پاس چھوڑ کر یہاں واپس آؤں گا اور تمہارا سامان اصل ٹھکانے پر پہنچا دوں گا جہاں تمہارے ٹھہرنے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ کشتی چلتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد ہوا اور تیز ہو گئی اور کالے کالے بادل اُمڈ اُمڈ کر آنے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بارش ہونے لگی۔ ساجد نے دائیں طرف رکھے ہوئے ایک صندوق میں سے کینوس نکالا اور اسے لڑکوں کی طرف پھینکتے ہوئے بولا۔ ”اسے میرے پاس آکر اس طرح تان لو کہ چاروں بارش سے بچے رہیں۔

کینوس محض دل کو سہارا دینے ہی کے لیے تھا۔ کیوں کہ بارش کے ساتھ ساتھ ہوا بھی بہت تیز تھی جس کی وجہ سے بوندیں کبھی ایک طرف سے آتیں تو کبھی دوسری طرف سے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے بجلی چمکتی اور زوردار کڑک کی آواز پیدا ہوتی۔ ایک بار تو اتنے زور سے بجلی کڑکی کہ لڑکوں کے دل سہم گئے اور وہ ایک دوسرے کے اور نزدیک ہو گئے۔

ایک بار پھر بجلی چمکی تو انہیں ساحل نظر آیا، شاید جزیرہ آنے والا تھا۔ ساجد اب تیز تیز کشتی چلا رہا تھا۔ چند ہی منٹ کے بعد وہ بولا۔ ''اُترو، ساحل آ گیا۔''

لڑکے چند لمحے ٹھٹکے۔ انہیں اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر ایک بار بجلی چمکی تو انہوں نے ساحل دیکھا۔ کشتی ساحل کے قریب ہی کھڑی تھی۔ انہوں نے باری باری ساحل پر چھلانگ لگا دی۔

ساجد کشتی میں ہی بیٹھا رہا۔

''آپ ہمیں کیمپ تک نہیں پہنچائیں گے؟'' عنبر نے پوچھا۔

''نہیں۔ مجھے تمہارا سامان پہنچانا ہے۔ اور بھی کئی کام کرنے ہیں، تم سیدھے چلے جاؤ۔ دو چار منٹ کے بعد تمہیں روشنی نظر آ جائے گی۔ بس اس روشنی کی طرف چلے جانا۔'' ساجد نے کہا اور کشتی واپس موڑ لی۔

''آؤ، کیمپ کی طرف چلیں۔'' نسیم بولا۔ ''ہو سکتا ہے ابّو بھی وہیں ہوں۔''

”چلو۔“ عنبر نے ہونٹ نوچتے ہوئے کچھ سوچ کر کہا۔ ”مجھے تو کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے؟“

”کیا مطلب؟“

”مطلب بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے ہم کیمپ تک پہنچیں۔ میرا مطلب ہے، اگر سچ مچ یہاں کیمپ ہے تو۔“

تھوڑی ہی دیر میں انہیں پتا چل گیا کہ وہاں کیمپ نہیں ہے کیوں کہ جب بجلی چمکی تو انہیں کوئی گول چکّر نظر آیا اور نہ کوئی آسمانی جھولا جو ڈھانچوں کے جزیرے میں انہیں نظر آنا چاہیے تھا۔ اچانک انہیں ایک پراسرار سی آواز آئی۔ ”وہو۔۔۔۔ اُو۔۔۔۔ اُو۔۔۔۔ دھِش!۔۔۔۔۔ دھو۔۔۔۔۔ اُو۔۔۔۔ اُو۔۔۔ اُو۔۔۔ دھِش۔“

”یہ کیسی آواز ہے؟“ عاقِب نے کہا۔

”یہ آواز تو اُدھر سے آ رہی ہے۔“ نسیم نے سامنے کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہا۔

"آؤ، آگے چلتے ہیں۔"عنبر نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

بجلی ایک دفعہ پھر زور سے چمکی۔ اب کے انہوں نے دیکھا کہ یہ جزیرہ چھوٹا سا ہے۔ اس میں کوئی درخت نہ تھا اور وہ درمیان میں سے اوپر کو اٹھا ہوا سا لگ رہا تھا جیسے کسی اونٹ کا کوہان۔

جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے تھے، توں توں وہ پراسرار آواز اور اونچی ہوتی جا رہی تھی۔ اب آواز نزدیک ہی کہیں سے آ رہی تھی۔

بجلی ایک بار پر چمکی تو انہوں نے دیکھا کہ جزیرے کے بیچوں بیچ کوہان کی طرح اُٹھے ہوئے حصّے میں سے پانی کی ایک دھار زور سے اُوپر اُچھلتی ہے اور اس دھار کے اُچھلنے اور گِرنے سے یہ عجیب سی آواز پیدا ہو رہی ہے "دھُو۔۔۔۔۔ اَو۔۔۔۔ اَو۔۔۔ اَو۔۔۔۔ دھِش!۔۔۔۔۔ دھُو۔۔۔۔۔ اَو۔۔۔ اَو۔۔۔۔۔ اَو۔۔۔۔ دھش۔"

”یہ تو کھوکھلا جزیرہ ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم اس سوراخ والے جزیرے میں ہیں جس میں سے طوفانی پانی کا ریلا عجیب سی آواز پیدا کر کے اوپر آتا ہے؟“

”اس کا مطلب ہے کہ وہ شخص ہمیں جزیرہ ہاتھ میں چھوڑ گیا ہے۔“

”ہاں۔ اور اس طوفانی رات میں نہ صرف ہم یہاں اکیلے ہیں بلکہ اس شخص کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ ہم یہاں ہیں۔“ عنبر نے ہونٹ نوچتے ہوئے کہا۔ ”سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟“

سونی کا بھُوت

اب انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بے یار و مدد گار اس ویران جزیرے میں چھوڑ دیے گئے ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے کوئی ایسی جگہ ڈھونڈنے کی کوشش کی جہاں وہ بارش سے محفوظ رہ سکیں۔ جلد ہی انہیں ایک غار مل گیا۔ بجلی کی چمک نے انہیں یہ غار دکھا دیا تھا۔ اس غار میں بیٹھ کر وہ فی الحال بارش سے محفوظ ہو گئے اور کچھ سوچنے کے قابل بھی ہو گئے۔

”میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا ہے کہ آخر ساجد ہمیں اس بے آباد جزیرے پر ایسی طوفانی رات میں تنہا کیوں چھوڑ گیا ہے۔“نسیم نے کہا۔

”ایک بات تو ظاہر ہے۔“ عنبر نے ہونٹ نوچتے ہو کہا۔ ”ساجد ہمیں بھولے سے نہیں، جان بوجھ کر یہاں چھوڑ گیا ہے۔“

”وہ کیوں؟“ عاقِب نے سوال کیا۔ ”اسے ہم سے کیا کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟“

”یہ ضروری نہیں کہ دشمنی اُسے ہی ہو۔“عنبر نے کہا۔ ”میرا مطلب ہے کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی اور شخص نے اسے اس کام پر آمادہ کیا ہو؟“

”ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے جو لوگ انور صاحب کی چیزیں اُٹھاتے رہے ہیں انہوں نے ہمیں یہاں بھیجا ہو۔“

”لگتا تو ایسا ہی ہے۔“نسیم نے کہا۔

”اب سوال یہ ہے کہ ہم یہاں سے نکلیں گے کیسے؟“عنبر نے کہا۔ وہ کسی

گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔ ”میرا خیال ہے کہ ہمیں صُبح تک تو اسی جزیرے پر رہنا پڑے گا۔ البتّہ صُبح کوئی نہ کوئی کشتی نزدیک سے گزرے گی تو ہم اس کو اپنی طرف متوجّہ کرلیں گے۔“

”یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انور صاحب کے آدمی ہماری تلاش میں نکلیں۔“ نسیم نے کہا۔ ”آخر ابّو اور انور صاحب کو یہ پتا ہے کہ ہمیں کتنے بجے گوادر پہنچنا ہے۔ جب مقرّرہ وقت پر وہاں نہیں پہنچیں گے تو کیا انہیں فکر نہ ہو گی؟“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ عنبر نے کہا۔ بہرحال ایک بات طے ہے۔ اور وہ یہ کہ ہمیں رات کے وقت شاید کوئی تلاش نہ کر سکے، آخر یہ رات بھی تو طوفانی ہے۔“

”ہاں، ہمیں ہر صورت طوفان کے رُکنے اور رات کے گزرنے کا انتظار کرنا ہو گا۔“ عاقِب نے کہا۔

جُوں ہی عاقِب نے یہ بات کہی، آندھی کی رفتار میں کمی آ گئی۔ تینوں

دوست مُصیبت میں گرفتار ہونے کے باوجود بھی ہنسنے لگے۔ نسیم بولا۔ ”یار عاقِب، تم ذرا پہلے ہی طوفان کے رُکنے کا ذکر کر دیتے۔ شاید طوفان تمہاری درخواست کے انتظار ہی میں تھا۔“

طوفان آہستہ آہستہ رُکتا جارہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بادل بھی چھٹ گئے اور پندرہ بیس منٹ کے اندر اندر ستارے چمکنے لگے۔ اب انہیں جزیرے پر ہلکی ہلکی روشنی نظر آنے لگی تھی جو ستاروں کے ٹمٹمانے کے باعث تھی۔

”مجھے تو نیند آنے لگی ہے۔“ نسیم نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے عاقِب کو بھی جمائی آئی۔ ”نیند تو مجھے بھی آنے لگی ہے۔“ اس نے کہا۔

”کہتے ہیں نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”مجھے نیند تو نہیں آ رہی، البتّہ غنودگی ضرور آرہی ہے۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں۔

ابھی عنبر کو آنکھیں موندے چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ اچانک وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کے بند پپوٹوں پر ٹارچ کی روشنی

پڑتے ہوئے محسوس کی تھی۔ اس نے دیکھا کہ سمندر کی طرف سے ایک کشتی چلی آ رہی ہے۔ اس نے ایک تو زور زور سے چلّانا شروع کیا "مدد! مدد!" اور دوسرے اپنی قمیص اُتار کر اسے ہوا میں لہرانا شروع کر دیا۔

مدد مدد کا نعرہ سُن کر عاقِب اور نسیم بھی گھبرا کر اُٹھ بیٹھے۔ وہ واقعی سو چکے تھے۔ جب وہ اُٹھے تو چند لمحوں تک اُن کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ سب کیا ہے! بہر حال عنبر کو قمیص لہراتے دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ کوئی مدد آ رہی ہے۔

کشتی میں جو کوئی بھی تھا وہ شاید انہی کی تلاش میں آ رہا تھا، کیونکہ جب اس کی ٹارچ کی روشنی ایک بار عنبر کی لہراتی ہوئی قمیص پر پڑی تو اس نے ٹارچ کو ایک دو بار جلا بجھا کر اشارہ کیا۔ یعنی اُس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ اب انہیں دیکھ چکا ہے اور اُدھر ہی آ رہا ہے۔

تینوں سُراغ رساں ساحل کی طرف اُدھر کو چل دیے جدھر سے کشتی آ رہی تھی۔ جب کشتی ساحل پر آ کر رُک گئی اور کشتی والا اُتر کر ساحل پر آ

گیا تو اس نے ٹارچ کی روشنی اپنے اوپر ڈال کر دکھائی۔ وہ ایک تیرہ چودہ سال کا لڑکا تھا۔ اس کا رنگ خاصا سانولا تھا اور وہ انہیں دیکھ کر مُسکرا رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے تینوں کے چہروں پر روشنی ڈال کر دیکھا۔ یہ گویا ایک طرح کا تعارف تھا۔ اب وہ ایک دوسرے کے نزدیک آ گئے تھے۔

"کیا تم ہی وہ تین سراغ رساں ہو جو۔۔۔۔" اُس لڑکے نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے اس علاقے کا بچّہ بچّہ اُن کی سُراغ رسانی سے واقف ہو۔

"ہاں، وہ ہم میں ہیں۔" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہارا کس منہ سے شکریہ ادا کریں؟" نسیم نے کہا۔

"اسی منہ سے۔" لڑکے نے جواب دیا۔ "ویسے شکریہ ادا کرنے کی کوئی ایسی ضرورت نہیں۔" وہ مسکرایا۔ "میرا نام کمال ہے۔ کمال احمد۔ تمہارے نام کیا ہیں؟" تینوں نے اسے باری باری اپنا نام بتایا۔

"کیا تم انور صاحب کی فلم کمپنی میں ملازم ہو؟" عنبر نے پوچھا۔ "اور ہاں،

تمہیں یہ کیسے پتا چلا کہ ہم یہاں ہیں؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ البتّہ میں انور صاحب کی فلم کمپنی میں ملازم نہیں ہوں۔ فی الحال تم لوگ کشتی میں بیٹھ جاؤ۔ وہاں سب لوگ تمہارے لیے پریشان ہیں۔" چاروں لڑکے کشتی میں سوار ہو گئے اور کمال کشتی چلانے لگا۔ یہ ایک ننّھی سی بادبانی کشتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہوا ٹھیک رُخ پر چلنے لگی اور کشتی خود بخود گوادر کے ساحل کی طرف بڑھنے لگی۔

راستے میں کمال نے انہیں بتایا کہ وہ قریب ہی ایک گاؤں میں اپنے بیمار باپ کے ساتھ رہتا ہے۔ اس کا باپ غوطہ خور تھا اور جوانی میں عرب ملکوں کے سمندروں میں سیپیوں سے موتی نکالنے کا کام کرتا تھا۔ وہ اتنا بہادر تھا کہ ہاتھ میں ایک بھاری پتھّر لے کر سمندر کی تہہ میں چلا جاتا اور کئی کئی منٹ تک سانس بند رکھ کے سیپیاں تلاش کرتا تھا۔ سالہا سال تک وہ یہی کام کرتا رہا اور اس طرح کمال کو پالتا رہا۔ پچھلے سال وہ بیمار ہو گیا۔ اب وہ غوطہ خوری نہیں کر سکتا تھا چنانچہ وہ اپنے بیٹے کو لے کر یہاں آ گیا تاکہ

اپنے دیس میں کوئی چھوٹا موٹا کام کر لے۔ اب اسے پیسے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنا علاج کرائے۔ لیکن کمال کے سوا اس کا اور کوئی عزیز نہیں اور کمال ابھی کچھ کمانے کے لائق نہیں ہوا۔ کمال بھی غوطہ خوری جانتا ہے اور ایک دو منٹ تک پانی میں رہ سکتا ہے۔ وہ نوکری کرنا چاہتا ہے، مگر یہاں کے لوگ اجنبی سمجھ کر اس پر اعتبار نہیں کرتے کیونکہ وہ غیر دیس میں پیدا ہوا تھا۔ اب کئی مہینوں سے وہ یہاں رہ رہا ہے اور اس علاقے کے چپّے چپّے سے واقف ہو گیا ہے، پھر بھی لوگ اسے اجنبی سمجھتے ہیں۔ فلم کمپنی والوں سے بھی وہ نوکری کے لیے ملا تھا۔ انہوں نے اس کے بارے میں اپنے چوکیدار جُمعہ خان سے رائے پوچھی تو اس نے اس کے خلاف ہی رائے دی چنانچہ اُسے یہ نوکری بھی نہ مل سکی۔

”پھر تم اپنا وقت کس طرح گزارتے ہو؟“ عنبر نے پوچھا۔

”میری کُل کائنات یہ ایک کشتی ہے اور میرا پیارا باپ ہے۔“ کمال نے کہا۔ ”کبھی کبھی کوئی سیّاح کشتی کرائے پر لیتا ہے تو چند دنوں کا گزارہ چل جاتا

ہے ورنہ سمندر میں غوطے لگاتا رہتا ہوں اور ایک آدھ مچھلی پکڑ کے کھانے کا انتظام کر لیتا ہوں۔“

”ہماری کشتی اب کہاں ہے؟“ عاقِب نے پوچھا۔ ”یہاں تو بالکل اندھیرا ہے۔“

”میرے کان اس سمندر کی آوازوں سے پوری طرح مانوس ہیں۔“ کمال نے کہا۔ ”میں لہروں کی آوازیں سُن کر بتا سکتا ہوں اب ہم کہاں ہیں۔ اس وقت ہم چھوٹے چھوٹے ساحلی جزیروں کے پاس سے گُزر رہے ہیں جنہیں ہڈّیاں کہتے ہیں۔“

”پھر تو ڈھانچوں کا جزیرہ بھی یہیں کہیں ہو گا۔“ نسیم نے کہا۔

”ہاں۔“ کمال نے کہا۔ ”ڈھانچوں کا جزیرہ اس طرف ہے تھوڑے فاصلے پر۔“ اس نے اپنی انگلی مغرب کی طرف اُٹھاتے ہوئے کہا۔

تینوں سُراغ رسانوں نے مُڑ کر اس سمت دیکھا۔ ظاہر ہے اندھیرے میں

اُنہیں کیا نظر آ سکتا تھا۔

”کیا تم جانتے ہو کہ اسے ڈھانچوں کا جزیرہ کیوں کہتے ہیں؟“ کمال نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔ ”ہم نے ایک کتاب میں اس کے بارے میں پڑھا ہے۔ اسے ڈھانچوں کا جزیرہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں غاروں میں چٹانوں کے اندر، پتھروں کے نیچے ڈھانچے ملتے ہیں۔ انسانی ڈھانچے۔“

”مگر تم یہ بھی جانتے ہو کہ یہ ڈھانچے کِن لوگوں کے ہیں؟“ کمال نے پوچھا۔

”نہیں۔“ نسیم بولا۔ ”اس بات کا اس کتاب میں تذکرہ نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ڈھانچے اُن لوگوں کے ہوں گے جو کبھی یہاں رہتے ہوں گے۔“

”نہیں۔“ کمال نے کہا۔ ”تم نے اس جزیرے کے بارے میں سے اہم بات نہیں سُنی۔“

عاقِب نے کہا۔ ”کون سی بات ؟“

”یہ ڈھانچے اُن لوگوں کے ہیں جنہیں کَن کٹا کپتان یہاں لا کر مار دیا کرتا تھا۔“

”کن کٹا کپتان ؟“عنبر نے حیرت سے کہا۔

”کن کٹا کپتان ایک بحری قزّاق تھا جو یہاں گھات لگائے بیٹھا رہتا اور جب کوئی جہاز مال و اسباب لیے اِدھر سے گزرتا تو وہ اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کو لوٹ لیتا اور لوگوں کو جزیرے پر لے جا کر چھوڑ دیتا۔ کچھ دِنوں بعد وہ لوگ بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے تھے۔“

”کیا یہ کن کٹا کپتان پکڑا نہیں گیا؟“

”بُرے کام کا انجام بُرا ہی ہوتا ہے۔“کمال نے کہا۔ ”آخر ایک دن وہ پکڑا گیا اور اسے سزائے موت دے دی گئی۔ لیکن اس کے جمع شدہ خزانے کا کوئی پتا نہ چل سکا۔ اس نے مرنے سے پہلے کہا تھا کہ میرا اشرفیوں کا خزانہ

کھو کھلا بھُوت کھا گیا ہے اور وہ اس کو ہضم بھی کر چکا ہو گا۔ اب قیامت تک یہ راز راز ہی رہے گا کہ اس نے اپنا خزانہ کہاں چھپایا تھا۔"

"یہ تو بڑی عجیب داستان ہے۔" عنبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا اس خزانے کا ابھی تک پتا نہ چل سکا؟"

"نہیں۔" کمال نے کہا۔ "بہت سے سر پھرے لوگوں نے اس پاس کے جزیرے دیکھ ڈالے مگر خزانے کا کسی کو کوئی پتا نہ چلا۔"

"ہڈّیوں اور ہاتھ کے جزیروں میں بھی ان لوگوں نے خزانہ لاش کیا تھا؟" عنبر نے پوچھا۔

"سنا تو یہی گیا ہے کہ ان لوگوں نے سب جزیروں پر تلاش کیا مگر کامیابی نہ ہوئی۔" کمال نے کہا۔ "البتّہ میرے پاس اس سلسلے میں ایک چھوٹا سا راز ہے؟"

"راز؟" عاقِب، نسیم اور عنبر تینوں کے منہ سے اکٹھا ہی نکلا۔ "وہ کیا؟"

”پھر کسی وقت بتاؤں گا۔“کمال نے کہا۔”ابھی صرف اتنا ہی سُن لو تو کافی ہے کہ مجھے ایک دو بار غوطہ خوری کے وقت سمندر کی تہہ میں سے ایک دو اشرفیاں ملی ہیں۔“

عنبر اپنا ہونٹ نوچنے لگا۔”یہ اشرفیاں تمہیں ملی کہاں سے تھیں۔“ایک بار ڈھانچوں کے جزیرے کے پاس سے اور ایک بار ہاتھ جزیرے کے پاس سے۔“

اسی لمحے ان کو اپنے پیچھے کچھ فاصلہ پر سے گھنٹیوں کی دھیمی سی آواز آئی۔ عنبر، عاقِب اور نسیم نے فوراًمُڑ کر دیکھا۔ کمال نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور چلّایا۔”مُڑ کر نہ دیکھنا۔ لگتا ہے کہ ڈھانچوں کے جزیرے پر سونی کا بھُوت آج پھر اپنی باری لینا چاہتا ہے۔“

اُدھر عنبر، عاقِب اور نسیم نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔ جِدھر سے گھنٹوں کی آواز آ رہی تھی وہاں اچانک روشنیاں جل اُٹھیں اور پھر بار بار جلنے بجھنے لگیں۔ پھر گول چکّر کی شکل میں گھومنے

لگیں۔ پہلے آہستہ آہستہ، پھر تیز تیز۔ ڈھانچوں کے جزیرے پر لگا ہوا گول چکّر گھوم رہا تھا! ساتھ ہی ایک دھندلی سی شکل بھی نظر آ رہی تھی جو چکّر کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھی!!!

"سونی کا بھُوت۔" نسیم چلّایا۔ "وہ دیکھو۔" اس نے بے اختیار اس طرف انگلی اٹھا دی۔

"ہاں ہاں۔" عنبر بولا۔ "یہ تو بالکل صاف نظر آ رہا ہے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔" عاقِب بولا۔ "کمال ذرا دیکھو تو سہی۔"

"نہیں، میں نہیں دیکھوں گا۔" کمال نے کہا اور چپّو تیز تیز چلانے لگا۔ "کاش! میں آج اِدھر نہ آتا۔ سونی کے بھُوت کو دیکھنا بد قسمتی کی نشانی ہے۔ خدا ہمیں ہر بد قسمتی سے محفوظ رکھے۔"

عنبر، عاقِب اور نسیم تینوں غور سے اُدھر ہی دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر میں گھنٹیوں کی آواز بند ہو گئی، روشنیاں بُجھ گئیں اور سارا منظر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ یوں لگتا تھا کہ سونی کا بھُوت آج بھی گول چکّر پر اپنی باری

پوری کرنے میں ناکام ہو گیا ہے۔ کیونکہ وہ جس طرح اچانک نظر آیا تھا اسی طرح غائب ہو گیا۔

کمال نے اپنے کانوں پر سے ہاتھ ہٹا لیے اور بولا۔ ”پہلے بھی کئی بار طوفانی راتوں میں سونی کا بھُوت گول چکّر پر گھومتا دیکھا گیا ہے۔ وہ ایک طوفانی ہی رات تھی جب سونی مر گئی تھی۔ اس کا بھُوت بھی ایسی راتوں میں ہی آنا پسند کرتا ہے۔“

ساحل پر پہنچتے ہی انہیں انور صاحب کے آدمی مل گئے جو انہیں اِدھر اُدھر ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ بھُوت کو دیکھنے کے ٹھیک پون گھنٹے بعد تینوں سراغ رساں بیگم گُل کے ہاں اپنے اپنے بستر پر آرام کر رہے تھے۔ انور صاحب نے بیگم گُل کے گھر ان کے ٹھہرنے کا انتظام کیا تھا۔ جزیرہ ہاتھ کے مقابلے میں یہ گھر کتنا آرام دہ تھا۔ لیکن عنبر کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے ایک لمبا سانس بھرا اور کہا۔ ”کاش میں سونی کے بھُوت کو نزدیک سے دیکھ سکتا۔“

”نا بھئی نا۔“ عاقِب بولا۔ ”باقی دونوں سُراغ رسانوں کا کاش تم سے اُلٹ ہے، کاش ہم نے وہ بھُوت بالکل ہی نہ دیکھا ہوتا!“

ڈھانچوں کے جزیرے میں

صُبح سویرے بیگم گل نے انہیں جگا دیا۔ ”چلو ناشتا تیار ہے۔ اور ہاں جلال صاحب چائے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔“

لڑکے یہ سنتے ہی جھٹ پٹ اُٹھ بیٹھے اور چند منٹ کے اندر اندر ناشتے کی میز پر پہنچ گئے۔ جلال صاحب کے ساتھ ایک شخص اور بیٹھا ہوا تھا۔ جلال صاحب لڑکوں کو آتے دیکھ کر ان کی طرف بڑھے۔ سب سے مصافحہ کیا، کندھے تھپتھپائے اور بولے۔ ”مجھے تم لوگوں کی گمشدگی کا بے انتہا افسوس

ہوا تھا۔ میں تو اسی وقت یہاں آنے لگا تھا مگر پھر سوچا کر تم سو کر ترو تازہ ہو جاؤ۔ پھر کھُل کر باتیں ہوں گی۔ اب یہ بتاؤ کہ کل یہاں پہنچنے کے بعد تم پر کیا بیتی؟" انہوں نے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ، کیا اور کہا۔ "یہ پولیس انسپکٹر ہیں، اور تمہاری کہانی سننے آئے ہیں۔ ساتھ ساتھ ناشتا بھی کرتے جاؤ۔ اور قِصّہ بھی سناتے جاؤ۔"

کچھ باتیں عنبر نے بتائیں، کچھ عاقِب نے، کچھ نسیم نے۔ انسپکٹر اور جلال صاحب دونوں بڑے غور سے سنتے رہے۔ "یہ ساجد کون ہو سکتا ہے؟" جلال نے پوچھا۔

"اس کے حُلیے سے کچھ کچھ سمجھ میں آیا تو ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "میرا خیال ہے یہ ساجد عرف سجّو ہو گا۔ گئی بار جیل کاٹ چکا ہے۔ چھوٹی موٹی وارداتیں کرتا ہے۔ پیسے لے کر بھی اس قسم کے کام کر دیتا ہے اور بعض اوقات خواہ مخواہ بھی اس قسم کے کام کر گزرتا ہے۔"

"بہر حال رات تو اس نے جو کچھ کیا وہ خواہ مخواہ نہیں کیا۔" جلال نے

انسپکٹر سے کہا۔ ”اس حرکت کے پیچھے یقیناً کوئی خاص مقصد ہے۔“

”ہاں، خاص مقصد ہی ہو گا۔“ انسپکٹر نے کہا۔ ”میں ابھی جا کے اسے بُلواتا ہوں۔“

”میں بھی اس سے چند سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔“ جلال نے کہا۔ ”پہلا سوال تو یہ کہ اُسے لڑکوں کے آنے کا پتا کیسے چلا؟ دوسرا یہ کہ اسے کیسے معلوم ہوا کہ یہ ننھے سراغ رساں ہیں۔ اور پھر یہ کہ اس نے انہیں غیر آباد جزیرے پر بے سہارا کیوں چھوڑ دیا۔

”آپ درست کہتے ہیں۔“ انسپکٹر نے کہا۔ ”آپ کے سوال بہت اہم ہیں۔ میں نے لڑکوں کی گمشدگی کی خبر ملتے ہی آس پاس تلاش شروع کر دی تھی۔ کئی مشتبہ لوگوں سے پوچھ گچھ کی جا چکی تھی اور کئی راستوں کی ناکا بندی کر لی گئی تھی مگر ساجد عرف سجّو انہیں پہلے ہی سمندر میں لے جا چکا تھا۔“

”ایک سوال اور میرے ذہن میں گھوم رہا ہے۔ اُس لڑکے کمال کو کیسے پتا

چلا کہ یہ بچّے اس جزیرے میں موجود ہیں؟" جلال نے کہا۔

تینوں لڑکے اس سوال پر بغلیں جھانکنے لگے۔ انہیں ویران جزیرے سے چھٹکارا ملنے کی اتنی خوشی ہوئی تھی کہ یہ بات انہیں پوچھنی یاد ہی نہ رہی اور پھر وہ بھُوت کا چکّر شروع ہو گیا تھا۔

بھُوت کا ذکر سنتے ہی جلال چلّائے۔ "یہ کیا کہہ رہے، ہو؟ تم نے بھُوت کیسے دیکھ لیا؟ یہ تو یہاں کے لوگوں کو نظر آیا کرتا ہے۔"

"مگر اب اس کا کیا علاج کہ ہمیں وہ بھُوت واقعی نظر آ گیا۔" نسیم بولا۔ "ظاہر ہے کہ ہم اسے بھُوت نہیں مانیں گئے، مگر جب تک اس کی حقیقت کو نہ پالیں، تب تک تو ہمیں یہی کہنا پڑے گا کہ ہم نے بھُوت دیکھا ہے۔"

"اور بالکل اسی طرح دیکھا ہے جیسے ضیغم اور زمرّد خاں کے بھُوت دیکھے تھے۔ عنبر نے کہا۔ "فرق صرف یہ ہے کہ ابھی ہم اس بھُوت کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔"

”اس بھُوت کی حقیقت کیا ہے؟“ انسپکٹر نے کہا۔ ”یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا مگر یہ بات یہاں کا بچّہ بچّہ جانتا ہے کہ رات بھر سونی کا بھُوت گول چکّر پر اپنی باری پوری کر رہا تھا۔ گول چکّر پر بتیاں جلتے ہوئے، سونی کو گھومتے ہوئے بہت سے لوگوں نے دیکھا تھا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ انسپکٹر صاحب آپ بھی بھُوت وغیرہ پر یقین۔۔۔“ جلال نے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ انسپکٹر ان کی بات کاٹ کر بولا۔ ”میں بھُوت پریت کو نہیں مانتا لیکن لوگ یہی کہہ رہے ہیں کہ رات ڈھانچوں کے جزیرے میں سونی کا بھُوت دیکھا گیا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ معاملہ اور بھی پیچیدہ ہو گیا ہے۔“ جلال نے کہا۔ ”آج کوئی بھی مزدور یا کاریگر ڈھانچوں کے جزیرے میں ہمارے لگائے جانے والے سیٹ پر کام کرنے نہیں آئے گا۔“

”ہاں مطلب تو یہی ہے۔“ انسپکٹر نے کہا۔ ”آپ کو دو چار روز اِنتظار کرنا پڑے گا۔ تب لوگ شاید۔۔۔“

تینوں لڑکے بڑوں کی ہونے والی اس بات چیت کو خاموشی سے سُن رہے تھے اور عنبر کی انگلیاں اس کا ہونٹ مسلے جا رہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ کچھ سوچ رہا ہے۔

"اچھا۔ میں چلتا ہوں۔" انسپکٹر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے ساجد سے بھی کچھ پوچھنا ہے اور کمال سے بھی۔"

"ایک منٹ، انسپکٹر صاحب۔" جلال نے کہا۔ "یہ کمال کیسا لڑکا ہے؟"

"کمال۔" انسپکٹر نے کہا۔ "مجھے اس کے بارے میں کوئی خاص عِلم تو نہیں، البتّہ سُننے میں آیا ہے کہ اچھا لڑکا نہیں ہے۔"

"اصل میں یہ لڑکا ہماری فلم کمپنی میں ملازمت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب ہم نے اپنے چوکیدار جُمعہ خان سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ اچھا لڑکا نہیں ہے۔ انور صاحب نے اسے ملازم نہیں رکھا۔ کہیں ہماری چیزی چوری ہونے میں اس لڑکے کا ہاتھ تو نہیں؟"

”ابو جان۔“ نسیم بولا۔ ”کمال نے تو ہماری جان بچائی ہے۔ اور پھر ہم نے کافی دیر تک اس سے گفت گو بھی کی ہے۔ ہمیں وہ بُرا لڑکا نظر نہیں آیا۔“

”کیا تم جانتے ہو کہ اس کا ایک بیمار باپ بھی ہے اور بیمار باپ کی خاطر شاید وہ۔۔۔“

”نہیں، انکل۔“ عنبر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ ایک شریف لڑکا ہے۔ آخر اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر ہمیں بچاتا۔“

”ہو سکتا ہے اس طرح وہ ہم لوگوں پر اپنی نیکی کا رُعب جما کر نوکری حاصل کرنا چاہا ہو۔“ جلال نے کہا۔ ”بلکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ساجد اور کمال نے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر یہ کام کیا ہو۔“

عنبر نے اپنا ہونٹ زور سے مسلا۔ یہ تو اُس نے سوچا ہی نہ تھا مگر نہ جانے کیوں اس کا دل کمال کو بُرا لڑکا ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔

"اچھا، اب میں چلتا ہوں۔" انسپکٹر نے کہا اور سب سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد جلال اور لڑکے بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"انور صاحب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔" جلال نے لڑکوں کو بتایا۔

"کہاں؟" عاقِب نے پوچھا۔

"ڈھانچوں کے جزیرے میں۔" جلال نے بتایا۔ "وہ اپنی فلم پکڑو تو جانوں کے آخری منظر کے لیے گول چکّر اور دوسری چیزوں کا سیٹ تیّار کروا رہے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک موٹر بوٹ میں فرّاٹے بھرتے ہوئے ڈھانچوں کے جزیرے کی طرف جا رہے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی سب لوگ کیمپ کی طرف چل دیے۔ کنارے سے ذرا آگے جا کر انھیں کیمپ کے خیمے نظر آ گئے۔ خیموں کے باہر ایک شخص، جو خاصا لمبا تڑنگا تھا بندوق لیے کھڑا تھا۔

"یہ جُمعہ خان ہے۔" جلال نے بتایا۔ "ہمارا چوکیدار۔" خیمے کے اندر انور ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس سامنے میز پر کچھ خاکے بکھرے پڑے تھے۔

"آیئے جلال صاحب۔" انور نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے خاصی دیر کر دی۔"

"پولیس انسپکٹر کے ساتھ گفت گو میں کچھ دیر ہو گئی۔" جلال نے کہا۔ "بہر حال اب میں آگیا اور اِن تینوں کر بھی لے آیا ہوں۔"

"بیٹھو، لڑکو۔" انور نے پیار سے انہیں بٹھایا۔ "میں آج ذرا زیادہ مصروف ہوں، اس لیے تم سے تفصیلی بات شاید نہ ہو سکے گی۔ بہر حال، میں رات کے واقعے پر افسوس کا اظہار کرتا ہوں۔ ہاں، تو جلال، سیٹ کے خاکے یہ رہے۔ اب مستریوں اور مزدوروں کے آنے کی دیر ہے۔"

"مجھے ڈر ہے انور صاحب کہ ہم ایک دو روز تک کام شروع نہیں کر سکیں گے۔ رات سونی کا بھُوت اس جزیرے پر پھر نظر آیا تھا جس کی وجہ سے

لوگ باگ خاصے خوف زدہ ہیں اور ایک دو دن اِدھر کا رُخ نہیں کریں گے۔" جلال نے کہا۔ "نہ جانے یہ کم بخت بھُوت کہاں سے آ ٹپکا! کاش میں بھُوت کی حقیقت جان سکتا!"

اُسی لمحے چوکیدار جُمعہ خان کھنکارتا ہوا اندر داخل ہوا اور بولا۔ "م۔۔۔۔۔ م۔۔۔۔ معاف کیجیے، جناب وہ بھُوت میں تھا!"

کھوپڑی سے ملاقات

خیمے میں موجود ہر شخص آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جُمعہ خاں کو دیکھنے جا رہا تھا۔ آخر کار انور بولا۔ ”تم۔۔۔۔۔ تم بھُوت کیسے بن گئے؟“

”جناب۔“ جُمعہ خان نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”ہوا یوں کہ جب شام طوفان آیا تو اس کے کچھ دیر بعد میں نے ایک موٹر بوٹ کی آواز سنی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ موٹر بوٹ کا رُخ اِسی جزیرے کی طرف ہے۔ کیوں کہ آواز اونچی ہوتی جا رہی تھی۔ پھر وہ آواز یکایک بند ہو گئی۔ میں نے اندازہ

لگا یا کہ کوئی چور جزیرے پر آ گیا ہے۔ میں فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے گول چکّر کے پاس پراسرار سایہ نظر پڑا۔ میں نے سوچا کہ اسے پکڑنا چاہیے۔ میں نے فوراً گول چکّر کی موٹر چلا دی جس سے گول چکّر پر لگی ہوئی بتّیاں روشن ہوئیں۔ چکّر بھی گھومنے لگا اور اس کے ساتھ لگی ہوئی گھنٹیاں بھی بجنے لگیں۔"

"یہ تو ہوا گول چکّر کا گھومنا۔" جلال نے کہا۔ "میں بھُوت کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"جناب، اس وقت میں طوفان کے باعث برساتی پہنے ہوئے تھا۔ طوفان رُک گیا تھا۔ مگر میں برساتی پہنے ہی چور کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ ظاہر ہے برساتی میں بھاگتے ہوئے میں دُور سے بھُوت دکھائی دیا ہوں گا۔"

"اُفّوہ! تم نے سارا کام خراب کر دیا۔" انور چلّایا۔ "جانتے ہو اب ایک دو دن تک کوئی مستری اور مزدور یہاں آنا پسند نہیں کرے گا اور ہمارا نقصان

ہو گا۔ میں کہتا ہوں جلال، اگر یہی قصّہ رہا تو ہم یہ سین لاہور کے کسی سٹوڈیو میں نقلی سیٹ لگا کے فلم بند کریں گے۔"

"آپ دیکھیے جناب۔" جلال نے کہا۔ "میں آج کوشش کرتا ہوں کہ مستریوں اور مزدوروں کو لایا جا سکے۔ اور ہاں جُمعہ خان تمھیں میرے ساتھ جانا ہو گا تاکہ تم لوگوں کو یقین دلا سکو کہ رات کیا ہوا تھا۔"

"میں تیار ہوں، صاحب۔" جُمعہ خان نے اٹن شن ہوتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں، جلال۔" انور بولا۔ "دو ایک اور آدمیوں کا بھی انتظام کرو جو جُمعہ خان کے ساتھ چوکیداری کر سکیں۔ اگر کسی دن ہمارا کوئی کیمرا چرا لیا گیا تو ہم سر پکڑ کر روئیں گے۔"

"بہتر جناب۔" جلال نے کہا۔ "میں جُمعہ خان کو لے کر شہر جاتا ہوں۔"

جلال اور جُمعہ خان فلم کمپنی کے مینجر جعفر کو لے کر شہر چلے گئے۔ انور نے لڑکوں سے کہا۔ "یہاں کا بچّہ بچّہ جانتا ہے کہ تم لوگ سُراغ رسانی کے لیے

آئے ہو۔ سُراغ رسانی کرنا تو مشکل ہے تم تھوڑی دیر اِدھر اُدھر جزیرے کی سیر کرو۔ جب جعفر آ جائے تو وہ تمہارے ساتھ غوطہ خوری کے لیے جائے گا۔ وہ ایک بڑا اچھا غوطہ خور ہے۔"

"بہتر جناب۔" عنبر نے کہا۔ "ہم کتنی دیر تک لوٹ آئیں؟"

"یہی کوئی ایک آدھ گھنٹے میں۔" انور نے کہا۔ "مگر ایک بات یاد رکھنا جزیرے میں خزانہ تلاش کرنے نہ بیٹھ جانا۔ یہاں کوئی خزانہ وزانہ نہیں ہے۔"

"ہم سمجھ گئے، جناب۔" نسیم بولا۔ "ایک آدھ گھنٹے واپس پہنچ جائیں گے۔"

کیمپ سے باہر آ کر تینوں ننّھے سراغ رساں ایک اُونچے سے ٹیلے کی طرف چل دیے۔ یہ ایک پہاڑی ٹیلا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ ٹیلے پر چڑھ رہے تھے۔ عنبر کا ہاتھ اس کے منہ کی طرف بڑھا اور وہ انگلیوں سے اپنا نچلا ہونٹ نوچنے لگا۔

نسیم نے پوچھا۔ ”کیا سوچ رہے ہو سُراغ رساں نمبر ایک؟“

”معاملہ کچھ بہت ہی پر اسرار سا لگتا ہے۔“ عنبر نے بتایا۔

”وہ تو ہے ہی۔“ عاقِب نے بھی کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”لیکن اس وقت تم کیا سوچ رہے ہو؟“

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میرا خیال باقی لوگوں سے مختلف ہے۔ دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ آس پاس کے کسی غریب ماہی گیر یا کمال نے فلم والوں کی چیزیں چرائی ہیں۔ لیکن میرے خیال میں یہ اتنا سیدھا سادا معاملہ نہیں۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ نسیم نے کہا۔ ”اب اسی بات کو دیکھ لو کہ کمال نے ہم لوگوں کی جان بچائی اور انور سمیت تمام لوگ سوچ رہے ہیں کہ وہ بھی ہمارے اغوا کی سازش میں شریک ہو سکتا ہے۔“

”مجھے تو کمال اچھا لڑکا لگتا ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”یہی تو میں کہتا ہوں کہ

کمال کو ہم سب لوگ آزما چکے ہیں۔ اس کے ساتھ کچھ وقت گزار چکے ہیں۔ اس کا قصّہ سُن چکے ہیں۔ ہمارے خیال میں وہ ایک سیدھا سادا سا غریب لڑکا ہے اور بس۔ لیکن وہ لوگ اس کے بارے میں کچھ اور رائے رکھتے ہیں۔ وہ ایسا نہیں کہ کسی کی کشتی کے پیندے میں سوراخ کرے یا کوئی چیز چرائے۔"

"پھر تم کس نتیجے پر پہنچے؟" نسیم نے پوچھا۔

"ابھی کسی نتیجے پر تو نہیں پہنچا۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ان وارداتوں کے پیچھے جو شخص بھی کام کر رہا ہے وہ صرف ایک بات چاہتا ہے۔"

"کیا؟"

"یہ کہ فلم کمپنی کے لوگ ڈھانچوں کے جزیرے سے چلے جائیں۔ وہ شخص کسی خاص مقصد کے لیے اس جزیرے کو استعمال کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اُس کے اِس مقصد کا کسی کو عِلم نہ ہو۔ اسی لیے وہ لوگوں کو اس جزیرے سے دور رکھنا چاہتا ہے۔"

”اگر یہ بات سچ ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”تو ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے۔ جُمعہ خان بھی اس آدمی کی سازش میں شریک ہو سکتا۔“

”وہ کیسے ؟“ نسیم نے کہا۔ ”وہ تو کل رات چور کو پکڑنا چاہتا تھا۔ مگر چور پکڑا نہ جاسکا۔“

عاقِب نے کہا۔ ”اور دوسرے یہ کہ وہ اس کوشش میں باقی لوگوں کو بھُوت بن کر نظر آیا۔ یعنی وہ بھی یہ چاہتا تھا کہ لوگ بھُوت کو ایک مرتبہ پھر دیکھ لیں اور یہاں نہ آئیں۔“

”تاکہ فلم کمپنی والے یہاں سے چلے جائیں۔“ عنبر کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ ”تم نے بڑی عقل مندی کی بات کی ہے، عاقِب۔ اب تم واقعی سُراغ رساں بننے جا رہے ہو۔“

یہ باتیں کرتے کرتے وہ ٹیلے کے بالکل اُوپر پہنچ گئے تھے۔ اُوپر آ کر انہیں پتا چلا کہ یہاں تو ایک غار بھی ہے۔ غار کا منہ کافی تنگ تھا اور آدمی کھڑا ہو کر اس کے اندر نہیں جا سکتا تھا۔ تینوں لڑکے چاروں ہاتھ پیروں پر چل کر

اس کے اندر داخل ہو گئے۔ اندر بہت اندھیر نہیں تھا۔ وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ مگر جوں جوں وہ آگے بڑھے روشنی کم ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ کچھ دُور جا کر انہیں رکنا پڑا۔

"بس اب ہمیں لوٹنا پڑے گا۔" عاقِب نے کہا۔

"ہم اپنے ساتھ ٹارچیں تو لائے ہی نہیں۔ ہمیں پتا ہی نہ تھا کہ اس جزیرے میں کوئی غار بھی ہو سکتا ہے۔"

نسیم نے کہا۔ "اب آگے جانے کا پروگرام ملتوی کرنا پڑے گا۔"

"نہیں، ابھی ہم آگے جائیں گے۔" عنبر نے کہا اور اس نے اپنی جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کر لی۔ "ایک سراغ رساں کو بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ جب صُبح میں نے یہاں آنے کا سنا تھا تو چلنے سے پہلے ٹارچ لیے لی تھی۔"

"تینوں سراغ رساں ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھنے لگے۔ وہ بڑی احتیاط

سے جا رہے تھے۔ کچھ آگے چل کر انہیں ایک کھلی جگہ نظر آئی۔ یہاں کچھ ہڈّیاں پڑی تھیں اور دیواروں میں کچھ زنجیریں بندھی تھیں جو اب زنگ آلود ہو چکی تھیں۔

”توبہ ہے۔“ نسیم نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ یہ ہڈّیاں کن کٹے کپتان کے قیدیوں کی ہوں گی۔“

”ہاں، اگر یہ کن کٹا کپتان سچ مچ کوئی تھا تو واقعی اس کے قیدیوں ہی کی ہڈیاں ہوں گی۔“ عنبر نے کہا۔

عاقِب نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ ہمیں اب چلنا چاہیے۔“

”ہاہاہا!۔۔۔۔۔ ہاہا!“ اچانک انہیں ایک زوردار قہقہہ سنائی دیا اور پھر ایک ڈراؤنی سی آواز آئی۔

”کن کٹے کپتان کی قید میں آیا ہوا کوئی قیدی واپس نہیں جا سکتا۔“

عنبر نے ٹارچ کی روشنی اِدھر اُدھر گھمائی کہ بولنے والا نظر آئے مگر کوئی

شخص نظر نہ آیا۔

تینوں سُراغ رسانوں کے دل اس وقت زور زور سے دھڑک رہے تھے۔
نسیم اور عاقِب واپس بھاگنا چاہتے تھے کہ عنبر نے ڈانٹ کر کہا۔ ”رک
جاؤ!“

”کیوں؟“

”ہو سکتا ہے بولنے والا شخص ہمیں کوئی نقصان پہنچا دے۔ میں دیکھنا چاہتا
ہوں کہ یہ کون ہے۔“

اس نے ٹارچ کی روشنی چاروں طرف گھمائی مگر کوئی دکھائی نہ دیا۔

”چھُپ کر حکم دینا کوئی بہادری نہیں، سامنے آؤ!“ آخر کار عنبر نے کہا۔

”اوپر دیکھو۔ ہاہاہا!“ آواز آئی۔

عنبر، عاقِب اور نسیم نے اوپر دیکھا تو ایک اونچی چٹان کے باہر کو نکلے ہوئے
پتھر پر رکھی ہوئی ایک کھوپڑی ان سے بولی۔ ”اب تم سب کن کٹے کپتان

کی قید میں ہو اور بچ کر نہیں جا سکتے۔"

تین اشرفیاں

یہ سماں اتنا خوف ناک تھا کہ لڑکے ڈر کر باہر کی طرف دوڑ پڑے۔
گھبراہٹ میں عنبر نسیم سے ٹکرایا تو اس کے ہاتھ سے ٹارچ گر پڑی۔

مگر یہ بھی اچھا ہی ہوا کیوں کہ جب اس نے جھک کر ٹارچ اُٹھائی تو اسے یاد آیا کہ وہ سُراغ رساں ہے اور سُراغ رساں یہ کبھی نہیں مان سکتا کہ کھوپڑی بول سکتی ہے۔ وہ ٹارچ اُٹھا کے پلٹا اور کھوپڑی پر روشنی ڈالتے ہوئے بولا۔ ”کھوپڑیاں نہیں بول سکتیں۔ بولنے کے لیے زبان اور حلق کا

ہونا ضروری ہے اور تمہارے پاس نہ زبان سے نہ حلق۔“

عاقِب اور نسیم نے غار کے اندر سے دو لڑکوں کے ہنسنے کی آوازیں سنیں تو وہ پلٹے اور اندر آ کے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں عنبر اور کمال قہقہے لگا رہے ہیں۔

”ڈر گئے نا؟“ کمال نے کہا۔ ”نہیں، میں ڈرا نہیں۔ صرف چونکا تھا۔ مجھے پتا تھا کہ تم اس جزیرے پر موجود ہو۔“ عنبر نے کہا۔

”وہ کیسے؟“ کمال نے پوچھا۔

”صُبح جب ہم ڈھانچوں کے جزیرے کی طرف روانہ ہوئے تو میں نے دور سے تمہاری بادبانی کشتی آتے ہوئے دیکھی تھی۔ اگر میں ڈر جاتا تو یہ کیوں کہا کر سامنے آؤ۔“

”ڈرا تو میں بھی نہیں تھا۔“ عاقِب نے جھینپتے ہوئے کہا۔ ”دراصل میری ٹانگوں کو یہ عادت ہے کہ کسی کھوپڑی کو بولتے ہوئے دیکھتی ہیں تو بھاگنے

لگتی ہیں۔"

"خوب! بہت اچھا مذاق ہے!" کمال نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا آؤ، اب غار سے باہر چلتے ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "میں تم سے ملنا چاہتا تھا۔ بہت اچھا ہوا کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔"

"آؤ، چلیں۔" کمال نے کہا۔ "کن کٹے کپتان کو بھی ساتھ لے لیں؟" اُس نے کھوپڑی کی طرف اشارہ کیا۔ چاروں ہنسنے لگے اور ان کی ہنسی سے غار گونجنے لگا۔

"تم ہم سے پہلے غار میں کیسے پہنچ گئے؟" عنبر کہا۔

"آسان سی بات ہے۔" کمال نے کہا۔ "میں اپنی کشتی میں جزیرے کے دوسری طرف آ کر اُترا تھا۔ وہاں سے ان درختوں کے جھنڈ میں آ کر چھپ گیا۔" اس نے درختوں کے ایک جھُنڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "پھر میں نے تمہیں کیمپ سے باہر آتے دیکھا۔ تم اِدھر ہی کو آ رہے

تھے۔ میں تمہارے پیچھے پہنچ گیا اور جب یہ سُنا کہ تم پہاڑی ٹیلے کے اُوپر جاؤ گے تو مجھے پتا تھا کہ تم غار میں جانا بھی پسند کرو گے۔ چنانچہ میں دوسرے راستے سے تم سے پہلے ٹیلے پر چڑھ گیا اور غار کے اندر تیّار ہو کر بیٹھ گیا۔ کیسا رہا یہ مذاق!" اس نے شریر نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت خوب۔" عنبر نے اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "مگر ایک بات میں اور جاننا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"تم بغیر چھُپے ہم سے ملنے کیوں نہیں آئے؟ کیا ہم سے کھُلّم کھلّا ملنا اچھا نہیں لگتا تھا؟"

"نہیں۔ یہ بات نہیں۔" کمال کا چہرہ جس پر چند لمحے پہلے خوشی تھی، اداس ہو گیا۔ "اصل میں کیمپ کا چوکیدار جُمعہ خان مجھے یہاں آنے سے روکتا ہے۔ اسے میرا یہاں آنا بالکل پسند نہیں۔ یہاں سب لوگ مجھے بُرا لڑکا سمجھتے ہیں۔"

"سب، سوائے ہم تینوں کے۔" عنبر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "ہم تینوں تمہیں اچھا لڑکا سمجھتے ہیں۔ اچھا، ایک بات تو بتاؤ؟"

"کیا؟" کمال نے پوچھا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں یہ کیسے پتا چلا تھا کہ تین لڑکے جزیرہ ہاتھ پر آئے ہوئے ہیں؟" عنبر نے پوچھا۔

"بالکل آسان سی بات ہے۔" کمال نے کہا۔ "کل شام میں یہاں ایک ہوٹل میں برتن مانجھ رہا تھا۔"

"تم یہ کام بھی کرتے ہو؟" نسیم نے پوچھا۔

"ہاں، بیمار باپ کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ہوٹل والوں نے کہا تھا کہ شام کو آ کر دو گھنٹے برتن مانجھ دیا کرو۔ دو روپے تمہیں دے دیا کریں گے۔"

"صرف دو روپے؟" عنبر نے افسوس سے کہا۔ "اتنے کام کے صرف دو

روپے؟"

"نہ ہونے سے تو بہتر ہیں نا۔" کمال نے کہا۔

"اچھا۔" عاقِب نے کہا۔ "تم بتانے لگے تھے کہ۔۔۔"

"ہاں، تو جب میں ہوٹل میں کیبنوں کے پیچھے برتن مانجھ رہا تھا تو میں نے آخری کیبن میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کی گفت گو سُنی۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ تمھیں ان سُراغ رسانوں کا ضرور کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ اس کے جواب میں دوسرے آدمی نے زور دار قہقہہ مار کر کہا کہ میں ان سُراغ رسانوں کو وہ ہاتھ دکھاؤں گا، وہ ہاتھ دکھاؤں گا کہ عمر بھر یاد کریں گے۔"

"کیا تمھیں اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے ہاتھ دکھانے کا جملہ ہی استعمال کیا تھا؟" عنبر نے پوچھا۔

"ہاں، اور ہاتھ کے لفظ پر زور دیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے تمہارے

آنے کے وقت اور ایک کشتی کے بارے میں بات کی جس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ آدمی تمھیں کشتی پر بٹھا کر جزیرہ ہاتھ پر چھوڑے گا۔ اسی شام طوفان کی پیش گوئی بھی کی گئی تھی اور تین اجنبی لڑکوں کو جزیرہ ہاتھ پر چھوڑنے کے لیے اس سے بہتر اور کون سا وقت ہو سکتا تھا۔"

"تم بڑے اچھے لڑکے ہو، کمال۔ ہمیں جانے بغیر بھی تم اس اندھیری رات کو ہماری مدد کے لیے نکل پڑے۔" عنبر نے پیار سے کہا۔ "ہاں، تو پھر کیا ہوا؟"

"اس سے آگے کی کہانی تو تم جانتے ہی ہو۔ میں برتن دھو کر نکلا اور سیدھا ساحل پر آکر کشتی اور ٹارچ لے کر تمھاری تلاش میں نکل کھڑا ہوا؟"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" عنبر نے کہا۔ "ان دونوں آدمیوں کو یہ کیسے پتا چلا کہ ہم سراغ رسانی کے لیے آرہے ہیں؟"

"ہاں، یہ بات بھی ان میں سے ایک نے دوسرے پوچھی تھی اور اس نے بتایا تھا کہ جس وقت ہوائی اڈّے سے ٹیلی فون کیا جا رہا تھا وہ بھی ٹیلی فون

کرنے کے لیے وہاں کھڑا ہوا تھا اور وہیں سے اس نے یہ بات معلوم کر لی تھی۔“

”لیکن اس شخص کا مقصد کیا تھا؟“ عنبر نے کہا۔ ”اس سلسلے میں بھی کیبن میں کوئی بات چیت ہوئی تھی؟“

”نہیں۔ اس بارے میں وہاں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔“ کمال نے کہا۔ ”میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”کمال، تمہارا احسان ہم زندگی بھر نہیں بھُول سکیں گے۔“ عنبر نے کہا۔ ”تم بہت اچھے اور نیک لڑکے ہو۔“

”یہ تو تمہاری نیکی ہے کہ مجھے نیک اور اچھا لڑکا سمجھ رہے ہو، ورنہ مجھے تو یہاں سب شبہے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور تو اور فلم کمپنی کے لوگ بھی مجھے بُرا سمجھتے ہیں۔ اور میں نے تو یہ بھی سُنا ہے کہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں تم لوگوں کے دشمنوں کے ساتھ سازش میں شریک ہوں۔“

”ہم لوگ انہیں بتائیں گے کہ تم کتنے اچھے لڑکے ہو۔“عنبر نے کہا۔

”تمہارے بتانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بڑے لوگ عام طور پر بچّوں کی باتیں نہیں مانتے۔“کمال نے کہا۔

”ہم تو مانتے ہیں نا۔“عنبر نے کہا۔”ہم تمہاری عزّت کرتے ہیں اور تم پر اعتبار بھی کرتے ہیں۔“

”تم مجھ پر اعتبار کرتے ہو۔“کمال نے کہا۔”اس لیے میں بھی تم پر اعتبار کروں گا۔ ذرا اپنے اپنے ہاتھ پھیلاؤ اور آنکھیں بند کر لو۔ جب تک میں نہیں کہوں اس وقت تک آنکھیں نہ کھولنا۔“

”بہتر۔“تینوں سُراغ رسانوں نے آنکھیں بند کر لیں اور انتظار کرنے لگے۔ انہیں محسوس ہوا کہ ان کے ہاتھ پر پچیس پیسے جتنا سِکّہ یا کوئی اور وزن رکھا گیا۔

پھر کمال نے ان سے کہا۔”اب آنکھیں کھول دو۔“

"اشرفیاں۔" عنبر چلّایا۔ "یہ تو اشرفیاں ہیں۔ یہ تمہیں کہاں سے ملیں؟"

"کیا یہاں کوئی خزانہ دفن ہے؟" عاقِب نے پوچھا۔ "مجھے یہ اشرفیاں سمندر کی تہہ میں ملی ہیں۔ ریت پر پڑی ہوئی۔ یوں لگتا ہے کہ کن کٹے کپتان نے اپنا خزانہ سمندر میں پھینک دیا تھا۔"

"مگر وہ تو پرانا قصّہ ہے۔" عنبر نے کہا۔ "اگر فرض کر لیا جائے کہ کن کٹے کپتان نے اپنا خزانہ یہیں سمندر میں پھینک دیا تھا تو وہ سمندر کی لہروں میں بہہ کر کہیں کا کہیں چلا گیا ہو گا۔"

"کیا یہ سِکّے تمہیں اکٹھے پڑے ہوئے ملے تھے؟" نسیم نے پوچھا۔

"نہیں۔ ایک سِکّہ تو مجھے اس جزیرے کے پرلے سرے کے پاس ایک ڈوبی ہوئی کشتی کے قریب ملا تھا اور باقی اکٹھے ملے تھے۔

"کہاں سے؟"

"ایک خاص حصّے سے جو جزیرہ ہاتھ کے پاس ہے اور میرا خیال ہے کہ

وہاں۔۔۔۔"

"او کمال کے بچّے! تو پھر اس جزیرے پر آ گیا۔" آواز جُمعہ خاں کی تھی جو اس دوران میں جزیرے پر واپس آ چکا تھا اور تینوں بچّوں عنبر، عاقِب اور نسیم کو بلانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ "اگر میں نے تیری ٹانگیں نہ توڑی تو۔۔۔۔" وہ دھاڑا۔ پھر اس نے لڑکوں سے کہا:

"چلیے، جعفر صاحب آ گئے ہیں اور آپ کو غوطہ خوری کے لیے بُلا رہے ہیں۔"

تینوں لڑکے اس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ عنبر سوچ رہا تھا کہ کاش جُمعہ خان دو منٹ اور دیر سے آتا۔

جُمعہ خاں کا قصّہ

”یہ لڑکا یہاں کیا کر رہا تھا؟“ جُمعہ خان نے پوچھا۔ ”اور یہ تمہیں یہاں کیوں لایا تھا؟“

”یہ تو یہاں کچھ بھی نہیں کر رہا تھا۔“ عنبر نے اسے بتایا۔ ”اور نہ وہ ہمیں یہاں لایا تھا۔ ہم تو یہاں غار دیکھنے آئے تھے۔“

”میں تمہیں بتاؤں، یہ لڑکا اچھا نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو شُبہ ہے کہ یہی فلم کمپنی کی چیزیں چراتا ہے۔ اچھا، جعفر صاحب نے تمہیں غوطہ خوری کے

لیے بلایا ہے۔ تم کہہ کر گئے تھے کہ گھنٹے آدھ گھنٹے میں آ جاؤ گے، مگر جعفر صاحب تم سے پہلے ہی لوٹ آئے۔"

"بس ہم آ ہی رہے تھے۔" عاقِب نے کہا۔

"کہیں تم لوگ خزانہ تلاش کرنے کے چکّر میں تو نہیں پڑ گئے ہو؟" جُمعہ خان نے اچانک سوال کیا۔

"نہیں۔ ہمیں پتا ہے کہ یہاں کوئی خزانہ نہیں ہے۔ کیوں کہ کن کٹا کپتان اپنا خزانہ کھو کھلے بھُوت کو کھلا چکا ہے۔" نسیم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم اسے مذاق سمجھتے ہو؟" جُمعہ خان نے بڑے جوش سے کہا۔ "مگر یہ سچ ہے۔ آج سے دس سال پہلے کھو کھلا بھُوت ایک اور خزانہ کھا چکا ہے اور یہ خزانہ نوٹوں کی شکل میں تھا۔"

"یہ کیا قصّہ ہے، جُمعہ خان؟" عنبر نے پوچھا۔ "جہاں تک میں سمجھتا ہوں کھو کھلا بھُوت تو سمندر ہی کو کہتے ہوں گے؟"

”ہاں، کن کٹے کپتان نے اپنا خزانہ سمندر ہی میں بہا دیا ہو گا۔ تبھی تو وہ آج تک کسی کو نہیں ملا۔ اور بلّو نے بھی اپنا دس لاکھ روپیہ سمندر میں ہی بہا دیا ہو گا۔“

”جُمعہ خان، ہمیں پورا قصّہ سناؤ۔ یہ بلّو کون تھا اور دس لاکھ روپے کے نوٹ اس نے کیوں اور کیسے دس سال پہلے سمندر میں پھینک دیے تھے؟“ نسیم نے پوچھا۔

”آہ! کیا پوچھتے ہو؟“ جُمعہ خان نے کہا۔ ”میں وہ دِن بھلا کیسے بھول سکتا ہوں۔“

اس نے بتایا کہ آج سے دس سال پہلے وہ بینک کی گاڑی کا ڈرائیور تھا۔ شام کو پانچ بجے کے قریب گاڑی بینک کی تمام شاخوں سے روپے اکٹھا کر کے ہیڈ آفس لے جاتی اور وہاں جمع کرا دیتی۔ ایک دن بلّو نامی ایک بدمعاش نے اپنے ایک ساتھی کی مدد سے گاڑی روک لی۔ اس نے گاڑی پنکچر کر دی اور جُمعہ خان کو زخمی کر دیا۔ جُمعہ خان نے اپنا دایاں کندھا دکھایا جس پر

بہت بڑا زخم کا نشان تھا۔

گاڑی کے ساتھ جو دو محافظ تھے، ان کی بندوقیں بلّو اور اس کے ساتھی کے فائروں کا مقابلہ نہ کر سکیں اور وہ گاڑی سمیت پوری دس لاکھ کی رقم لے اُڑے۔ شام کے وقت پولیس کو پتا چلا کہ مجرم بلّو اور اس کا ساتھی ڈھانچوں کے جزیرے اور جزیرہ ہاتھ کے درمیان دیکھے گئے ہیں۔ پولیس نے چاروں طرف سے ان کو گھیرے میں لے لیا۔ لیکن پکڑے جانے سے پہلے بلّو کے بنڈل پانی میں ڈال دیے۔ وہی کن کٹے کپتان والا طریقہ۔ بلّو اور اس کا ساتھی پکڑے گئے لیکن ایک پیسہ بھی بر آمد نہ ہو سکا۔"

"انہیں سزا ہوئی؟" عنبر نے پوچھا۔

"ہاں۔" جُمعہ خان نے کہا۔ "انہیں عمر قید ہوئی، لیکن بعد میں رعائتیں اور معافیاں مل کر وہ سزا صرف دس سال میں پوری ہو گئی اور پچھلے ہفتے وہ چھوٹ کر آ گئے۔ انہوں نے میرا کندھا زخمی کیا تھا، میں بھی انہیں آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ جیل تو انہیں سرکاری روپیہ لوٹنے کے جُرم میں

ہوئی تھی۔ میں ان کو اپنا کندھا زخمی کرنے کی سزا دیے بغیر چین سے نہ بیٹھوں گا۔"

اب وہ کیمپ پہنچ چکے تھے اور ان کے عین سامنے جعفر کھڑا تھا۔ اس نے کہا:

"چلو بچّو، غوطہ خوری کی پریکٹس کرتے ہیں۔ میں تمہارا امتحان لوں گا کہ تمہیں کتنی غوطہ خوری آتی ہے۔" لڑکے اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور بتاتے رہے کہ کراچی میں گرمیوں کی چھٹیوں میں انہوں نے کیا کیا سیکھا تھا۔ جلد ہی وہ ساحل پر پہنچ گئے جہاں ایک موٹر بوٹ اُن کا انتظار کر رہی تھی۔ اس میں غوطہ خوری کے آلات مثلاً منہ کا نقاب، گیس کے سلنڈر، ربڑ کے جوتے وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔

"میں پہلے تم میں سے ایک کے ساتھ نیچے جاؤں پھر دوسرے اور پھر تیسرے کے ساتھ۔ آؤ، کشتی میں بیٹھیں۔ آگے جا کے غوطہ خوری کریں گے۔" جعفر نے

کہا۔ جب وہ سب کشتی میں بیٹھ گئے تو اس نے کشتی چلا دی اور کچھ دُور جا کر سمندر کے بیچ میں روک دی۔

”یہاں آج سے چند سال پہلے ایک چھوٹا سا جہاز ڈوب گیا تھا۔ ہم اس جگہ باری باری غوطہ خوری کریں گے۔ مگر ایک بات میں پہلے ہی بتا دوں۔ اس جہاز کا بحری قزّاقوں کے جہازوں سے کوئی تعلّق نہیں۔ اس کے اندر جانے کی کوشش نہ کرنا۔ اس میں کوئی خزانہ نہیں۔ اچھا پہلے کون چلے گا میرے ساتھ؟“

”میں چلتا ہوں۔“ عاقِب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

جعفر نے اسے غوطہ خوری کی چیزیں پہنانے میں مدد کی اور پھر خود پہنیں۔ اب وہ دونوں غوطہ خوری کے لیے تیّار تھے۔ عاقِب کو غوطہ خوری کی خاصی مشق تھی۔ اس نے پانی میں چھلانگ لگاتے ہی اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ وہ بڑی تیزی سے نیچے جانے لگا۔ جلد ہی وہ ڈوبے ہوئے جہاز کے پاس پہنچ گیا۔ جہاز اتنا چھوٹا نہ تھا جتنا اس کا خیال تھا۔ اس کے کناروں اور

پہلوؤں پر کائی جمی ہوئی تھی اور مچھلیاں اس کے اندر آ جا رہی تھیں۔

جعفر نے عاقِب کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ڈوبے ہوئے جہاز کا ایک چکّر لگائے تا کہ وہ اس کی مہارت کا اندازہ کر سکے۔ وہ خود عاقِب سے ذرا فاصلے پر تیر رہا تھا۔

عاقِب شیشے کے نقاب میں سے سمندر کی ہر چیز کو صاف دیکھ سکتا تھا۔ جہاز کے گرد چکر لگاتے ہوئے اس نے دیکھا کہ جہاز پہلو کے بَل لیٹا ہوا ہے۔ جس طرف سے پہلے اُس نے اسے دیکھا تھا وہ اس کا پیندا تھا۔ اب وہ اس کے اُوپر سے گزر رہا تھا۔

یکایک اس نے دو بڑی خوب صورت سی مچھلیاں تیرتی ہوئی دیکھیں۔ وہ انہیں دیکھنے کے لیے جہاز کے ذرا قریب چلا گیا۔ اچانک اسے جھٹکا سا لگا اور یوں محسوس کیا جیسے کسی نے اس کا دایاں ٹخنا پکڑ لیا ہے۔ اس نے پوری قوّت سے اپنا پاؤں آزاد کرانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ کسی پُر اسرار شے نے اس کا ٹخنا بُری طرح جکڑ لیا تھا۔

ایک اور اشرفی

عاقِب کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے کافی کوشش کی مگر اس کا پاؤں اپنی جگہ سے نہ ملا۔ چند لمحوں بعد اسے اپنی کمر پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا۔ غوطہ خوری کی زبان میں اس کا مطلب یہ تھا کہ ہاتھ لگانے والا اس کی مدد کو آپہنچا ہے۔ یہ جعفر تھا۔

جعفر نے اُسے اشارہ کیا کہ ایک خاص انداز سے مُڑ کر دیکھے۔ اس نے مُڑ کر دیکھا تو پتا چلا کہ ڈوبے ہوئے جہاز کے بادبانوں کے رسّے میں اس کا

پاؤں پھنس گیا ہے۔ یہ دیکھ کر اُس کی جان میں جان آئی۔

چند منٹ بعد وہ دونوں اُوپر چلے گئے اور غوطہ خوری کے آلات اُتارنے لگے۔

"یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ پہلے ہی سبق میں تمھیں پتا چل گیا کہ احتیاط سے کام لینا چاہیے۔" جعفر نے کہا۔

"کیا ہوا تھا؟" عنبر نے پوچھا۔ "کوئی خاص بات نہ تھی۔ میرا پاؤں جہاز کے بادبانوں کے ایک رسّے میں اٹک گیا تھا۔"

"سب سے ضروری بات یہ ہے کہ غوطہ خوری کے وقت اپنے اوسان قائم رکھو۔ گھبرا جاؤ گے تو معاملہ خراب ہو سکتا ہے۔ پانی میں انسان کو اتنی آزادی نہیں ہوتی جتنی خشکی پر ہوتی ہے۔ خشکی پر تُم مدد کے لیے پکار سکتے ہو، پانی کے اندر نہیں۔"

"اگلی بار میں اپنے اوسان قائم رکھوں گا۔" عاقِب نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی یہی امید ہے۔" جعفر نے کہا۔ "اچھا بھئی، اب تم چلو۔" اس نے نسیم سے کہا۔ نسیم جھٹ پٹ تیّار ہو گیا اور جعفر کے ساتھ پانی میں کود گیا۔

چند ہی لمحے ہوئے ہوں گے کہ کمال دوسری طرف سے اچانک موٹر بوٹ کے پاس نمودار ہوا اور اس کا کنارہ پکڑ کر باتیں کرنے لگا۔ اس نے کشتی میں غوط خوری کے آلات پڑے ہوئے دیکھے تو بولا۔ "تم غوطہ خوری کے ان آلات کی مدد سے پانی کے اندر جاتے ہو؟"

"ہاں۔" عنبر نے کہا۔ "پچھلی گرمیوں کی چھٹیوں میں ہم نے یہ فن سیکھا تھا؟"

"مگر میں تو ان چیزوں کے بغیر غوطہ لگا سکتا ہوں۔ وہ دیکھو میری کشتی ساحل پر ہے۔ میں وہاں پانی کے اندر تیرتا ہوا یہاں آیا ہوں۔"

"یہ فن تم نے اپنے والد سے سیکھا ہو گا۔" عنبر کہا۔

”ہاں۔“ کمال نے بتایا۔ ”میرے ابّا جب تن درست تھے تو کئی منٹ پانی میں رہ سکتے تھے۔ میں دو تین منٹ تک نیچے رہ سکتا ہوں؟“

”اچھا!“ عاقِب نے حیرت کا اظہار کیا۔

”اور کیا۔“ کمال نے کہا۔ ”تبھی تو میں پانی میں رہ کر خزانہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر مجھے دولت مل جائے تو اپنے باپ کا کسی بڑے ڈاکٹر سے علاج کراؤں۔“

”تم اس وقت کیا کہنے لگے تھے جب جُمعہ خان آ گیا تھا؟“ عنبر نے اچانک پوچھا۔ ”کچھ اِن اشرفیوں کے بارے میں۔۔۔“

”میں یہی کہنے لگا تھا کہ دو اشرفیاں مجھے ایک دن جزیرہ ہاتھ اور ڈھانچوں کے جزیرے کے درمیان کے سمندر میں ایک عجیب سی جگہ پر ملی تھیں۔ میں وہاں پھر جانا چاہتا ہوں۔“

”اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو ہم تمہارے ساتھ چلیں۔“ عنبر نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ کل پھر کوشش کر کے دیکھوں۔“کمال نے کہا۔

”ہم بھی چلیں گے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”بشرط کہ کل ہماری فلم بندی یا پریکٹس نہ ہو۔“

”ہاں۔۔۔۔۔۔ آں۔۔۔۔۔ آں۔۔۔۔ آں۔۔۔۔۔ ہاپ۔۔۔ چھیں۔“ عنبر نے کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ایک زور دار چھینک آ گئی۔

”سُوں۔۔۔۔سُوں“اس نے ناک ہلائی۔

”میں بھی یہی کہنے لگا تھا جو عاقِب نے۔۔۔۔ آں۔۔۔۔آں۔۔ ہاپ۔۔۔۔ چھیں۔“اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔ کیوں کہ اُسے پھر زور دار چھینک آگئی تھی۔

”اگر تمھیں زُکام ہو گیا ہے تو غوطہ خوری نہ کرنا۔“کمال نے کہا۔

”اچانک دُور سے انھیں جعفر اور نسیم پانی کے اوپر اُبھرتے دکھائی دیے۔ کمال نے خُدا حافظ کہہ کے غوطہ لگایا اور پانی کے نیچے ہی نیچے دُور چلا گیا۔

اس نے ٹھیک کہا تھا۔ جب جعفر کو پتا چلا کہ عنبر کو زُکام ہو گیا ہے تو اس نے اسے غوطہ خوری سے منع کر دیا اور عاقِب سے کہا کہ وہ تیّار ہو جائے۔ عاقِب کو آلات پہناتے وقت نسیم نے اس کے کان میں کچھ کہا جس پر عاقِب نے سر ہلایا اور کہا۔ ”اچھا میں دیکھوں گا۔“

نسیم نے اسے بتایا تھا کہ اُس نے ایک جگہ پر جہاز کے قریب ریت میں ایک سنہری سی چیز دیکھی تھی اور شاید وہ اشرفی تھی! مگر وہ اُسے لانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

عاقِب نے آنکھیں کھلی رکھیں تاکہ اُسے بھی وہ اشرفی نظر آ جائے۔ جوں ہی اسے ایک جگہ چمک دار سنہری سی شے نظر آئی اس نے ہاتھ نیچے کر کے مٹھی بھر لی۔ جب اس نے اوپر آ کر مُٹھّی کھولی تو خُوشی سے چلّا اُٹھا۔ ”اشرفی، یہ تو اشرفی ہے!“

جعفر اُوپر آ چکا تھا۔ اس نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”ہاں۔ یہ واقعی اشرفی ہے۔ یہ بات کسی کو نہ بتانا کہ تمھیں ڈھانچوں کے

جزیرے کے پاس سے اشرفی ملی ہے۔“

”کیوں؟“نسیم نے پوچھا۔

”اب تو لوگ ڈھانچوں کے جزیرے پر جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اگر انہیں یہ پتا چلا کہ یہاں سے اشرفی ملی ہے تو وہ خزانے کی تلاش میں جزیرے پر چڑھ دوڑیں گے اور ہمارا فلم بندی کا پروگرام ملیامیٹ ہو جائے گا۔“

بیگم گُل کی حیرت

اس شام ننّھے سُراغ رساں جلد ہی بستر پر لیٹ گئے۔ عنبر کو نزلہ زُکام ہو گیا تھا اور عاقِب اور نسیم غوطہ خوری کر کر کے تھک گئے تھے۔ جلال نے شام کا کھانا ان کے ساتھ ہی بیگم گُل کے ہاں کھایا تھا۔ وہ ڈھانچوں کے جزیرے پر سیٹ لگانے کے بارے میں کافی پریشان نظر آ رہے تھے۔

"آج ہم کوشش کے باوجود صرف دو ایک ہی آدمیوں کو وہاں لے جا سکتے ہیں۔ جُمعہ خاں نے لوگوں کو لاکھ بتایا مگر وہ نہ مانے۔ کل کچھ اور لوگوں کو

کام پر جانے کے لیے آمادہ کروں گا۔“

اس رات سُراغ رساں خوب سوئے، سوائے عنبر کے۔ ایک تو وہ چھینک رہا تھا اور دوسرے اس کے ذہن میں کچھ سوال اُٹھ رہے تھے جن کے جواب اس کی سمجھ میں نہ آرہے تھے۔ بہت دیر بعد کہیں جا کے اُسے نیند آئی۔ صُبح کو بیگم گُل اُن کو جگانے آئیں تو عنبر کو یوں لگا جیسے وہ ابھی ابھی سویا تھا۔

”چلو بچّو، ناشتا کر لو۔“ بیگم گُل نے کہا۔ ”اور نسیم تمھارے ابّو بھی تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ تم سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتے ہیں۔“

جلال صاحب ناشتے کی میز پر موجود تھے۔ انہوں نے کہا۔ ”بھئی، آج تم لوگوں کی چھٹی ہے۔ آج میں نے مستریوں اور مزدوروں کو کام پر راضی کر لیا ہے۔ اس لیے آج کا سارا دن میں، جعفر اور انور صاحب ڈھانچوں کے جزیرے میں مصروف رہیں گے تا کہ سیٹ جلد سے جلد مکمل کرا سکیں۔ اور ہاں عنبر، سنا ہے تمھیں زُکام ہو گیا۔“

”جی، انکل۔“عنبر نے کہا۔ ”مجھے رات نیند آرام سے نہیں آئی۔“

”بیٹے۔“ جلال نے کہا۔ ”تم آج آرام کرو۔ دوپہر کے وقت ڈاکٹر وُود سے دوا لے آنا۔ ڈاکٹر صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں اور وہ ڈھانچوں کے جزیرے کے مالک بھی ہیں۔ میں جاتے وقت تمہارے بارے میں انہیں اطّلاع دیتا جاؤں گا۔“ انہوں نے عنبر کو ڈاکٹر وُود کا پتا لکھ کر دیا اور اُسے تاکید کر کے چلے گئے۔

”ہمیں افسوس ہے عنبر، کہ آج تمہیں آرام کرنا ہو گا۔“ نسیم نے کہا۔ ”ورنہ آج تو ہمارا اچھا دن گزرتا۔“

”نہیں، افسوس کی کیا بات ہے۔“عنبر نے کہا۔ ”میرا وقت لیٹ کر بھی اچھا گزر جائے گا۔ مجھے بہت کچھ سوچنا ہے۔ مثلاً ڈھانچوں کے جزیرے میں کوئی ایسا راز ہے جو میں جاننا چاہتا ہوں مگر ابھی تک جان نہیں سکا ہوں۔“

بیگم گُل اُس وقت چائے کے برتن لے جانے کے لیے کمرے میں آئی ہوئی

تھیں۔ انہوں نے ڈھانچے کے جزیرے کا نام سنا تو بول اٹھیں۔ ”توبہ! توبہ! کس کا نام لے رہے ہو صُبح صُبح۔ ابھی پرسوں رات تو وہاں سونی کا بھُوت گول چکّر پر گھومتا ہوا دیکھا گیا ہے۔“

”بیگم صاحبہ۔“ عنبر نے کہا۔ ”وہ بھُوت نہ تھا۔ جُمعہ خان تھا۔ فلم کمپنی کا چوکیدار۔“

”جُمعہ خان ہو یا ہفتہ خاں۔ میں تو نہ مانوں گی۔ فلم کے یہاں آنے سے پہلے بھی تو سونی کا بھُوت اکثر لوگوں کو نظر آیا کرتا تھا۔“

اسی لمحے کھڑکی پر ایک ہلکی سی دستک ہوئی کھڑکی میں سے کمال کا چہرہ نمودار ہوا۔

”کمال۔“ نسیم کھڑکی کی طرف لپکا۔

”ہاں، میں خزانے کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ اُسی جگہ جہاں سے مجھے دو اشرفیاں ملی تھیں۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گے؟“

”میں اور عاقِب چلیں گے۔“ نسیم نے کہا۔ ”عنبر کو تو ابّو آرام کرنے کے لیے کہہ گئے ہیں۔ ہم دونوں کو آج چھُٹّی ہے۔ جعفر صاحب سے غوطہ خوری کے آلات لے لیں گے۔“

”عنبر، ہمیں تمہارے نہ جاسکنے کا افسوس ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”اگر تم کہو تو ہم بھی نہ جائیں۔“

”نہیں بھئی، نہیں۔۔۔۔ آخ۔۔۔ چھیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”تم کیوں اپنا دِن ضائع کرتے ہو۔ ضرور جاؤ اور کمال کے ساتھ اُسی جگہ پر غوطہ خوری کرکے دیکھو۔“

”اچھا، تو ہم چلتے ہیں۔ دوپہر کے کھانے تک واپس آجائیں گے۔“

عاقِب اور نسیم کے جانے کے بعد عنبر بستر پر لیٹ گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا اور اس کی انگلیاں اس کا نچلا ہونٹ مسل رہی تھیں۔ اس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ بیگم گُل نے عاقِب کا بستر ٹھیک کرتے ہوئے اس سے تکیے کو جھاڑا تو اس کے نیچے سے ایک اشرفی نکلی۔ وہی جو کل سمندر کی تہہ میں سے ملی

تھی۔

”اللہ میرے!“ وہ چیخیں۔ ”یہ تو اشرفی ہے۔ یہ تمہیں کہاں سے ملی؟“

عنبر آواز سن کر ایک دم چونک پڑا۔ جعفر نے اُن سے کہا تھا کہ اس بات کا کسی کو پتا نہ چلے۔

”یہ۔۔۔ یہ دراصل عاقِب کو ملی تھی۔ مگر ڈھانچوں کے جزیرے پر سے نہیں، سمندر میں سے۔“ عنبر ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔ ”کل ہم غوطہ خوری کر رہے تھے نا۔“

”میرے اللہ!“ بیگم گُل کی حیرت ابھی دور نہ ہوئی تھی۔ ”پہلے ہی دن ایک اشرفی۔ میرے اللہ! لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔“

”کیا کہتے ہیں؟“ عنبر نے پوچھا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ بیگم گُل کس بات کا ذکر کر رہی ہیں۔

”یہی کہ تم فلم والے دراصل ڈھانچوں کے جزیرے پر خزانے کی تلاش

میں آئے ہو۔ یہ فلم ولم کا تو بس بہانہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ فلم والوں کے پاس کوئی خفیہ نقشہ بھی ہے جس کی مدد سے خزانہ تلاش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

"اچھا!" عنبر نے حیرت سے کہا۔ "گویا یہ سبب ہے سامان کی چوری کا۔ لوگ چاہتے ہیں کہ فلم کمپنی یہاں سے بھاگ جائے تاکہ وہ خود خزانہ تلاش کر لیں۔"

"ہاں، ہو سکتا ہے کہ اسی لیے فلم کمپنی والوں کا سامان چوری ہوتا ہو۔" بیگم گُل نے کہا۔

"مگر بیگم صاحبہ۔" عنبر نے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔ "یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس میں ذرّہ برابر بھی سچائی نہیں۔ لوگ یہاں سچ مچ فلم بنانے ہی آئے ہیں۔ فلم چل گئی تو وہ ان کے لیے خزانے سے بھی بڑھ کر خزانہ ہے۔"

"مگر یاد رکھو! یہاں تمہاری یہ بات کوئی بھی نہیں مانے گا۔ اگر سونی کے

بھُوت سے لوگ خوف زدہ نہ ہوتے تو اب تک تو۔۔۔۔۔"

"اچھا بیگم صاحبہ، ایک منٹ۔" عنبر نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔ "میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ سونی کا بھُوت پہلے پہل کب دیکھا گیا تھا؟"

بیگم گُل نے باقی تفصیل تو وہی بتائی جو عنبر پہلے جان چکا تھا، مگر ایک بات نئی بتائی۔ اور وہ یہ تھی کہ کافی عرصے سے سونی کا بھُوت نظر آنا بند ہو گیا تھا۔ مگر کچھ سال پہلے وہ پھِر نظر آنے لگا۔

"کتنے سال پہلے؟" عنبر نے پوچھا۔

"میں ٹھیک سے نہیں کہہ سکتی۔" بیگم گُل نے کہا۔ "ہو سکتا ہے آٹھ سال یا نو سال یا چھ سات سال۔ کئی سال کی بات ہے۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں۔"

"ایک بات اور۔" عنبر نے کہا۔ "یہ بھُوت کتنے آدمیوں نے دیکھا تھا اس وقت؟"

”یہ تو کوئی نہیں جانتا۔ بس پورا شہر یہ جانتا ہے کہ سونی کا بھُوت اب سے کچھ سال پہلے پھِر نظر آیا تھا۔ اور اب تم فلم والے لوگ یہاں آئے ہو تو پرسوں رات پھر وہ ڈھانچوں کے جزیرے میں دیکھا گیا۔“

”کچھ نہ کچھ پراسرار باتیں کہیں نہ کہیں ہو رہی ہیں اور وہ ڈھانچوں کے جزیرے سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”مگر ابھی میں یہ نہ سمجھ سکا کہ وہ آخر ہیں کیا۔“

کشتی کی تباہی

اس وقت ہوا ساحل کی طرف سے ڈھانچوں کے جزیرے کی سمت چل رہی تھی، اس لیے کمال کی کشتی کا بادبان ہوا سے بھرا ہوا تھا اور وہ بہت تیز چل رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں عاقِب، نسیم اور کمال وہاں پہنچ گئے۔

"تم یہیں رکو۔" عاقِب نے کہا۔ "ہم جعفر صاحب سے غوطہ خوری کے آلات لے کر آتے ہیں؟"

آلات لینے میں انہیں کوئی خاص مشکل پیش نہ آئی۔ جعفر بہت مصروف

تھا۔ کیوں کہ آج ان لوگوں کو بہت سے مستری مل گئے تھے اور سیٹ کا کام شروع ہو گیا تھا۔ اس نے انہیں ہدایت کی کہ وہ کسی خزانے وزانے کی تلاش کے چکّر میں نہ پڑیں اور اپنے کام سے کام رکھیں۔

کنارے پر کمال اُن کا منتظر تھا۔ نسیم اور عاقِب بھی کشتی میں بیٹھ گئے۔ ''کتنا اچھا ہوتا اگر تم لوگ بھی میری طرح بغیر آلات کے غوطہ خوری کرنا جانتے ہوتے۔'' کمال نے کہا۔

''ہمیں یہ سامان لینے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔'' نسیم نے کہا۔ ''البتّہ ایک نصیحت ساتھ میں ملی ہے۔''

''کیا؟'' کمال نے پوچھا۔

''یہ کہ ہم خزانے کی تلاش کے چکّر میں نہ پڑیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ہنس پڑا۔ عاقِب بھی مسکرانے لگا۔

کمال نے بادبان کا رُخ بدل دیا اور ساتھ ہی بھی چپّو بھی چلانے لگا۔ وہ لوگ

جزیرہ ہاتھ کی طرف جا رہے تھے۔ نسیم اور عاقِب مزے سے کشتی میں لیٹ گئے اور نیلے نیلے آسمان کو دیکھنے لگے۔

تھوڑی دیر میں کشتی جزیرہ ہاتھ کے کنارے پر پہنچ گئی۔ ایک اچھی سی جگہ تلاش کر کے کمال نے کشتی کھڑی کر دی اور کنارے کے ایک نوکیلے پتھّر کے ساتھ ایک رسّی سے اِسے باندھ دیا۔ اس کے بعد وہ تینوں جزیرے چلے گئے۔ عاقِب اور نسیم کا یہ دوسرا دورہ تھا۔ پہلی دفعہ وہ پرسوں رات اس جزیرے پر بے یار و مددگار، چھوڑ دیے گئے تھے۔ مگر آج دن کی روشنی میں اپنی مرضی اور سے یہاں آئے تھے۔

یہ جزیرہ مشکل سے آدھ میل لمبا ہو گا اور تہائی میل کے قریب چوڑا ہو گا۔ اس پر درخت تو کیا گھاس پھُونس تک کا نام نشان نہ تھا۔ بالکل ننگی چٹانیں تھیں۔ البتّہ اس رات والی آواز "وہو۔۔۔۔۔ اُو۔۔۔۔ اُو۔۔۔۔۔ وہش۔" اب نہیں آ رہی تھی اور نہ جزیرے پر پانی آتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ نسیم اور عاقِب نے یہ بات کمال سے کہی تو وہ بولا:

”ایسا صرف طوفانی موسم میں ہوتا ہے۔ جب لہریں بپھری ہوئی اور جوش میں بھری ہوئی ہوں تو وہ جزیرے کے اندر کسی کھوکھلے سوراخ سے ٹکرا کر اُوپر آ جاتی ہیں جس سے وہ خوف ناک آواز پیدا ہوتی ہے۔ آج موسم خوش گوار ہے اور سمندر کی لہریں پُر سکون ہیں، اس لیے نہ آج پانی اُوپر آ رہا ہے اور نہ آواز پیدا ہو رہی ہے۔“

تینوں لڑکے جزیرے کے اس جانب بھی گئے جہاں پانچ چھ لمبوتری چٹانیں نیچی ہو کر پانی میں ڈوبتی چلی گئی تھیں۔ یہاں کھڑے ہو کر یہ جزیرہ واقعی ہتھیلی کی شکل کا محسوس ہوتا تھا اور لمبوتری چٹانیں انگلیاں دکھائی دیتی تھیں۔ اِسی لیے اس کا نام ”ہاتھ“ مشہور ہو گیا تھا۔

لڑکے جزیرے کی سیر سے فارغ ہو کر واپس کشتی کی طرف آنے اور کپڑے اُتار کر غوطہ خوری کے آلات پہن لیے۔ کمال انھیں تیّار ہوتے دیکھتا رہا۔ جب وہ تیّار ہو گئے تو کمال اور وہ دونوں سمندر میں کُود گئے۔

ابھی کوئی پچاس گز کے قریب گئے ہوں گے کہ کمال نے عاقِب اور نسیم کو

پانی کے اُوپر آنے کا اشارہ کیا۔

”یہیں کہیں مجھے دو اشرفیاں ملی تھیں۔“ کمال نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ ہمیں یہیں کوشش کرنی چاہیے۔“

تُم دو دو منٹ کے بعد اُوپر آ کر سانس لے لیا کرنا۔ ہم دس بارہ منٹ تک نیچے رہیں گے۔“

انہیں غوطہ لگاتے دس پندرہ منٹ ہو گئے لیکن ابھی تک ایک اشرفی نہ ملی تھی۔ آخر نسیم نے انہیں اُوپر چلنے کا اشارہ کیا۔ کمال نے اُوپر آتے ہی کہا۔ ”میرا خیال ہے، آج ہمیں کامیابی نہیں ہو گی۔“

”اسی لیے تو میں نے اُوپر آنے کا اشارہ کیا تھا۔“ نسیم نے کہا۔ ”آؤ، اپنی کشتی کی طرف چلتے ہیں۔“

اب وہ تیرتے دوسری طرف آ چکے تھے۔ ساحل پر پہنچ کر وہ اس طرف

روانہ ہو گئے جدھر اُن کی کشتی بندھی ہوئی تھی۔ ابھی وہ کشتی سے کافی دُور تھے کہ موٹر بوٹ کی آواز سنائی دی۔ وہ جزیرے ہی کی طرف آ رہی تھی۔ لڑکے حیران رہ گئے۔ اس جزیرے پر اُن کی موجودگی کا عنبر کے سوا اور کسی کو عِلم نہ تھا اور عنبر اس رات بستر پر آرام کر رہا تھا۔ پھر یہ موٹر بوٹ کی آواز کیسی ہے!

تینوں دیکھنے کے لیے دوڑے۔ چند ہی لمحوں میں انہیں موٹر بوٹ نظر آ گئی جو بڑی تیزی سے ان کی کشتی کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔

ابھی اُن کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ یہ سب کیا چکّر ہے کہ موٹر بوٹ زور سے اُن کی کشتی سے آ ٹکرائی۔

ایک لمحے کے لیے انجن کی آواز بند ہو گئی۔ اس کے بعد انجن پھر چالو ہو گیا۔ اب موٹر بوٹ جدھر سے آئی اُدھر کو لوٹ گئی۔ وہ چیختے چِلّاتے اُدھر دوڑے لیکن بے کار۔

اُن کی کشتی دو ٹکڑے ہو کر آناً فاناً پانی میں ڈوب گئی۔ ایک بار پھر وہ جزیرہ

ہاتھ پر بے یار و مدد گار رہ گئے تھے۔

پُراسرار دھمکی

عنبر نے نسیم اور عاقِب کے جانے کے بعد دو گھنٹے آرام کیا اور پھر بیگم گُل سے جلال کا لکھا ہوا پتا سمجھ کر ڈاکٹر وَدُود کے کلینک کی طرف چل پڑا۔

یہ کوئی اتنا بڑا شہر نہیں تھا، اس لیے بڑے شہر جیسی رونقیں یہاں نہیں تھیں۔ عنبر مزے مزے سے ٹہلتا ٹہلتا ڈاکٹر وَدُود کے کلینک میں جا پہنچا۔

ڈاکٹر وَدُود ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ اس کے بال آدھے سے زیادہ سفید ہو رہے تھے۔ وہ ادھیڑ عُمر کا آدمی تھا۔ عنبر کو اس نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور

بولا۔ ”تمہارے بارے میں جلال صاحب صُبح مجھے بتا کر گئے تھے۔“

”جی، جناب۔“ عنبر نے کہا۔ ”انکل میرے نزلے زُکام کے بارے میں خاصے پریشان تھے۔“

”بہر حال، تم تفصیل بتاؤ۔“

”تفصیل تو کوئی خاص نہیں۔ پرسوں رات ہم جزیرہ ہاتھ پر تھے جس کے باعث مجھے نزلہ زُکام ہو گیا ہے۔“ عنبر نے کہا۔

”پرسوں تو بڑی طوفانی رات تھی۔“ ڈاکٹر ودُود نے کہا۔ ”تم وہاں کیا کر رہے تھے؟“

”یہ ایک لمبی کہانی ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”اور ہاں ڈاکٹر صاحب، کیا مجھے آپ کچھ وقت دے سکتے ہیں؟“

”وقت؟“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”بھئی، ابھی کچھ دیر میں میرے دوپہر کے کھانے کا وقت ہونے والا ہے۔ ہم دونوں کھانا کھائیں گے اور باتیں بھی کر لیں

گے۔“

”بہتر، جناب۔“

”لیکن پہلے تمھیں یہ بتانا ہو گا کہ اُس اندھیری رات کو تُم طوفان کے باوجود جزیرہ ہاتھ پر کس لیے گئے تھے؟“ ڈاکٹر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں تمھیں نزلے کی دوا دیے دیتا ہوں۔“

اُنھوں نے اپنے کمپاؤنڈر کو آواز دی اور نسخہ لکھ کر اُسے دے دیا۔ چند ہی منٹ بعد دوا آ گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے پہلی خوراک اپنے سامنے ہی عنبر کو کھلائی اور کہا۔ ”اب تم پندرہ بیس منٹ تک کمرے میں آرام کر لو۔ میں باقی مریضوں کو دیکھ کر وہاں آ جاؤں گا اور پھر ہم کھانے کے دوران باتیں کریں گے۔“

”پیسے؟“ عنبر نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

”فلم کمپنی والوں نے یہاں آتے ہی مجھ سے اپنے آدمیوں کے لیے معاہدہ

کر لیا تھا۔ کسی کو کچھ دینے کی ضرورت نہیں۔" ڈاکٹر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

عنبر اُٹھ کر اندر کمرے میں چلا گیا اور پندرہ میں منٹ تو نہیں، البتّہ ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر صاحب مریضوں فارغ ہو کر اندر آ گئے اور دونوں کھانا کھانے لگے۔

"ہاں بھئی، سناؤ۔" ڈاکٹر نے پہلا لُقمہ توڑتے ہوئے کہا۔

عنبر نے مختصر الفاظ میں پرسوں رات کا قصّہ کہہ سنایا۔ جب وہ سونی کے بھُوت کے قصّے پر پہنچا تو ڈاکٹر کی آنکھوں میں نفرت سی پیدا ہوئی۔

"بھُوت! بھُوت!" اس نے کہا۔ "اس جھوٹ نے مجھے کافی نقصان پہنچایا ہے۔ میرا لاکھوں روپے کا جزیرہ مٹّی کا ڈھیر بنا پڑا ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے جاہل ہیں۔ بھُوتوں کو بہت مانتے ہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب، میں دراصل اُس بھُوت ہی کے بارے میں آپ سے کچھ

پوچھنا چاہتا تھا۔" عنبر نے کہا۔

"کہو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"میں آپ کے جزیرے کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں، اور اُن معلومات میں سب سے ضروری سونی کے بھُوت کے متعلّق ہے۔"

"میں سونی کے بھُوت کے بارے میں کیا جان سکتا ہوں۔" ڈاکٹر وڈُود نے اُداس ہوتے ہوئے کہا۔ "سونی بے چاری تو اچھی بھلی لڑکی ہو گی مگر یہاں کے وہمی اور جاہل مچھیروں نے اُس کو بھُوت بنا کر رکھ دیا۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے سونی کے بھُوت کو کس نے دیکھا تھا؟"

"دیکھا تو بہت سے لوگوں نے تھا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "مگر وہ بھُوت بالکل ایسا تھا جیسا تم نے جُمعہ خان کا قصّہ سُنایا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

”مطلب یہ کہ کوئی شریر لڑکا حادثے سے اگلے دن رات کے وقت اپنے دوستوں کو ڈرانے کے لیے بھُوت کا بھیس بدل کر گول چکّر پر بیٹھ گیا اور یوں نہ صرف اُس کے دوست ڈرے بلکہ یہ قصّہ ایسا پھیلا کہ لوگوں نے اسے دل میں بٹھالیا۔“

”ہاں ہاں، رائی کا پہاڑ تو لوگ بڑی آسانی سے بنالیتے ہیں۔“

”بالکل۔ آہستہ آہستہ یہ بات پھیلتی چلی گئی کہ ہر طوفانی رات کو سونی کا بھُوت جزیرے میں اپنی باری لینے کی کوشش کرتا ہے۔ لوگ اتنے ڈرے کہ میرا جزیرہ ویران ہو گیا اور لاکھوں کی جائیداد مٹّی کا ڈھیر بن کر رہ گئی۔ جب تک سونی کا بھُوت لوگوں کے دماغ میں رہے گا، میں اس جزیرے سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔“

”جہاں تک مجھے معلوم ہے، سونی کا بھُوت بیچ میں لوگوں کو نظر آنا بند ہو گیا تھا، مگر کچھ سال پہلے پھر نظر آنے لگا ہے۔“

”ہاں، سنا تو میں نے بھی یہی ہے۔“

”کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ آج سے ٹھیک کتنے سال پہلے یہ بھُوت دوبارہ دیکھا گیا؟“عنبر نے نچلا ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم تو بالکل سُراغ رسانوں کے سے انداز میں تفتیش کر رہے ہو۔“

”جی میں ایک سُراغ رساں ہی ہوں۔“عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا اور کرسی سے اُٹھ کر پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالنے لگا۔ جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں اس کا تعارفی کارڈ تھا۔ کارڈ پر لکھا تھا:

تین ننّھے سُراغ رساں

ہم مُشکل سے مُشکل گتھیاں سلجھا سکتے ہیں

؟؟؟

سُراغ رساں نمبر ایک: عنبر

سُراغ رساں نمبر دو: عاقِب

سُراغ رساں نمبر تین: نسیم

"تم تو واقعی سُراغ رساں ہو۔" ڈاکٹر نے کارڈ پڑھتے ہوئے کہا۔ "تم نے کبھی کوئی اُلجھی ہوئی گتھّی سلجھائی؟"

"جی ہاں، کئی ایک۔" عنبر نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں۔ چمک تھی۔ "اور انشاءاللہ آپ کے جزیرے کی گتھّی بھی سلجھالیں گے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "ورنہ میاں، جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، میری تو اتنی قیمتی جائید اد بے کار پڑی ہے۔ سالوں سے ایک پیسے کی بھی آمدنی نہیں ہوئی۔ ہاں، جب سے فلم کمپنی والے یہاں آئے ہیں مجھے کچھ پیسے مل گئے ہیں۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ اس بہانے کوئی خزانہ وزانہ تلاش کر رہے ہو۔"

"لوگ غلط کہتے ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم لوگ صرف فلم بنانے یہاں آئے ہیں۔ نہ جانے یہ خزانے کی تلاش کی بات کس نے شروع کی ہے کہ سارے شہر میں پھیل گئی ہے۔ اچھا ڈاکٹر

صاحب میرا سوال؟"

"ہاں، تم یہ پوچھ رہے تھے کہ وہ دوبارہ کب سے نظر آرہا ہے۔"

"جی، بالکل یہی۔"

"ٹھہرو، میں سوچتا ہوں۔" ڈاکٹر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں یہ مطب بارہ سال سے چلا رہا ہوں اور یہ میرے یہاں آنے کے۔۔۔ ہوں۔۔۔ شاید۔۔۔ ہاں۔۔۔ ٹھیک دو سال بعد کا واقعہ ہے۔"

"گویا سونی کا بھُوت آج سے ٹھیک دس سال پہلے دوبارہ نظر آیا تھا۔"

"بالکل۔ ورنہ لوگ باگ اس قصّے کو بھولتے جا رہے تھے۔"

"اچھا ڈاکٹر صاحب، میں نے آپ کا بہت وقت لیا۔" عنبر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "اب اجازت دیں۔" اس کے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"اچھا بیٹے۔" ڈاکٹر نے اس کا ہاتھ گرم جوشی سے دبایا اور کہا۔ "بہر حال،

اگر جزیرے پر کوئی خزانہ واقعی ہے اور تم لوگ سچ مچ اس کی تلاش میں ہو تو یاد رکھنا کہ وہ خزانہ میرا ہو گا کیوں کہ میں جزیرے کا مالک ہوں۔"

عنبر نے حیرت سے ڈاکٹر کے منہ کی طرف دیکھا مگر وہ مُسکرا رہے تھے، جس کا مطلب یہ تھا انہوں نے مذاق کیا تھا۔ عنبر نے بھی مسکراتے ہوئے کہا "نہیں جناب۔ آدھا خزانہ ہمارا ہو گا اور آدھا آپ کا۔ آخر ہم پہاڑوں کو کھودیں گے بھی تو۔"

جوں ہی عنبر ڈاکٹر کے مطب سے باہر نکلا ایک کار اس کے نزدیک آ کر رُکی۔ اس میں سے پولیس انسپکٹر نیچے اُترا اور عنبر سے کہنے لگا۔ "ہم نے ساجد عرف سجّو کا پتا لگا لیا ہے۔"

"وہ کہاں ہے، جناب؟"

"وہ ایران جانے والے ایک پہاڑ پر مُلازم ہو کر یہاں سے جا چُکا ہے اور ہمیں یہ پتا بھی چلا ہے کہ اس نے محض تم لوگوں کو پریشان کرنے کی غرض سے تمہیں جزیرہ ہاتھ پر چھوڑا تھا۔"

"مگر جناب، گستاخی معاف۔" عنبر بولا۔ "مجھے کچھ اور پتا چلا ہے۔"

"کیا؟" انسپکٹر نے کہا۔ "اگر تمہاری معلومات ہم سے مختلف ہیں تو بتاؤ۔"

عنبر نے حیرت سے کہا۔ "یہیں کھڑے کھڑے؟"

"اوہ! مجھے یاد ہی نہیں رہا۔" انسپکٹر نے کہا۔ اور کار کا دروازہ کھول کر عنبر کو اندر بٹھاتے ہوئے بولا۔ "تم راستے میں مجھے یہ قصّہ سُناتے چلو۔ تم کہاں جا رہے ہو؟ میں تمہیں پہنچا دوں گا۔"

میں بیگم گُل کے ہاں جا رہا ہوں۔"

"بہتر۔" انسپکٹر نے کہا۔ "اب شروع ہو جاؤ۔"

عنبر نے انسپکٹر کو کمال کی بتائی ہوئی وہ باتیں بتائیں جو اُس نے ہوٹل میں ان آدمیوں سے سُنی تھیں۔ ان سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی شخص اور بھی لڑکوں کے اغوا میں ساجد کا شریک ہے۔

"اچھا! کمال نے تمہیں یہ بتایا تھا!" انسپکٹر نے کہا۔ "لیکن کمال قابلِ اعتبار

لڑکا نہیں ہے۔"

"لیکن جناب، جہاں تک میں جانتا ہوں، وہ بھروسے کا لڑکا ہے۔" عنبر نے کہا۔

"ہوں!" انسپکٹر نے کہا۔ "میں اس بارے میں غور کروں گا۔ بہر حال ساجد عرف سجّو تو جہاز پر مُلازم ہو کر ایران چلا گیا ہے اور ایک مہینے سے پہلے واپس نہ آسکے گا۔ اس لیے تم لوگ فی الحال اُس کی طرف سے مطمئن رہ سکتے ہو۔"

"بہتر جناب۔" عنبر نے کہا۔ "آپ مجھے یہیں اُتار دیں۔ بیگم گُل کا مکان اس چوک کے پار ہے۔" انسپکٹر نے اُسے اُتار دیا اور چلا گیا۔

چوک کے بیچوں بیچ اُسے ایک لمبوترے چہرے والا دُبلا پتلا آدمی ملا۔ اُس نے اُسے روک کر کہا۔ "تم لوگ اور تمھارے کمپنی والے یہاں سے نہ گئے تو انہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ اپنے بڑوں کو میرا یہ پیغام آج ہی پہنچا دینا۔"

”میں انہیں کیا بتاؤں کہ مجھے یہ پیغام کس نے دیا تھا؟“ عنبر نے بڑے بھولپن سے کہا۔ ویسے وہ بڑے غور سے اُس کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

اُس آدمی کا چہرہ نفرت سے سُکڑ گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ ہوا میں لہرایا اور غصّے سے کہا۔ ”کہنا کہ یہ پیغام تمہیں اُلّو نے دیا تھا۔“ یہ کہہ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

مگر جب اس نے اپنا ہاتھ ہوا میں لہرایا تھا تو عنبر نے اُس کے ہاتھ کی پشت پر زخم کا ایک گہرا نشان دیکھ لیا تھا۔

وہ غار

"میری اکلوتی کشتی۔" کمال چلّایا۔ "ظالموں نے میری اکلوتی کشتی ڈبو دی ہے۔ اب میں کیا کروں گا؟"

"کون تھا وہ ظالم؟" نسیم نے کہا۔

"ظاہر ہے انہی لوگوں میں سے کوئی ہو گا جو فلم کمپنی والوں کو یہاں سے نکالنا چاہتے ہیں اور جنہوں نے ہم لوگوں کو بھی اس رات جزیرہ ہاتھ پر طوفانی رات میں بے یار و مدد گار چھوڑ دیا تھا۔" عاقِب نے کہا۔

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ پتا چل گیا ہو کہ میں خزانہ تلاش کر رہا ہوں اور وہ میری کشتی اس لیے توڑ گیا ہو کہ یہ آیئندہ خزانہ تلاش نہ کر سکے۔“

”گھبراؤ نہیں۔ ہم خزانے کی تلاش میں تمہارا ساتھ دیں گے۔“ نسیم نے کہا۔

”یہ غنیمت ہے کہ غوطہ خوری کا سامان اس وقت کشتی میں نہ تھا ورنہ ہمیں بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔“ عاقِب نے کہا۔

”ہاں، یہ تو ہزاروں روپے کا آتا ہے۔“ نسیم نے کہا۔ ”سب سے زیادہ پریشانی تو ابّو کو اُٹھانا پڑتی۔ انہی کی سفارش پر ہم لوگوں کو یہاں بُلایا گیا تھا۔“

اچانک نسیم کو ایک خیال سُوجھا۔ ”کیوں نہ ہم اپنے کپڑے ڈوبی ہوئی کشتی میں سے نکال لائیں؟ آخر ہم جانگیوں میں تو شہر نہیں جائیں گے۔“

”ہاں چلو، کپڑے تو نکال لائیں۔“ کمال نے کہا۔ ”میں بغیر آلات کے ہی غوطہ لگا سکتا ہوں۔“

”نہیں۔ تم ٹھہرو اور ساحل پر نظر رکھو۔“ عاقِب نے کہا۔ ”ہم دونوں غوطہ خوری کا سامان پہن کر نیچے جاتے ہیں اور سب کپڑے وغیرہ لے آتے ہیں۔“

عاقِب اور نسیم چند منٹ کے اندر اندر تیّار ہو گئے اور پانی میں چھلانگیں لگا دیں۔ نیچے جا کے انہوں نے بڑی احتیاط سے کمال کی ٹوٹی ہوئی کشتی کا ایک چکر لگایا۔

جب وہ کشتی کے ٹکڑوں کو چاروں طرف سے دیکھ چکے تو پھر انہوں نے کپڑے وغیرہ باہر نکالنے شروع کیے۔ نسیم کشتی کے اندر جاتا تو عاقِب باہر کا دھیان رکھتا۔ عاقِب کشتی کے اندر جاتا تو نسیم اُسے دیکھتا رہتا تاکہ ان میں سے کسی کی ٹانگ کسی رسّی وغیرہ میں نہ پھنس جائے۔

پانچ دس منٹ کے اندر اندر انہوں نے کپڑے اکٹھے کر لیے۔ انہیں دو

ٹارچیں بھی مل گئیں۔ یہ سامان لے کر وہ اُوپر آ گئے۔

کمال کپڑوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ یکایک وہ چلّایا۔ اس سامان میں میرا قُطب نُما نہیں ہے۔ میں جا کے قُطب نُما لے آتا ہوں۔"

"ٹھہرو۔" نسیم نے کہا۔ ہم جا کے لے آتے ہیں۔"

"نہیں۔ میں ہی جاتا ہوں۔" کمال نے کہا۔ "ایک تو تم تھک گئے ہو گے۔ دوسرے مجھے معلوم ہے کہ کشتی میں کس جگہ ہو سکتا ہے۔"

"اچھا، ٹھیک ہے۔" عاقِب نے کہا۔ "تم قُطب نُما ڈھونڈ کر لے آؤ، اتنے میں ہم کپڑے سکھاتے ہیں۔"

کمال نے پانی میں ڈُبکی لگائی اور نسیم اور عاقِب کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ دونوں باتیں کرنے لگے اور ساتھ ہی ساتھ کپڑے سکھاتے رہے۔ اچانک نسیم چلّایا۔ "ارے عاقِب! غضب ہو گیا!"

"کیا؟"

”کمال کو پانی میں کُودے دس پندرہ منٹ ہو گئے۔ جب کہ وہ ایک دفعہ میں زیادہ سے زیادہ دو تین منٹ پانی کے اندر رہ سکتا ہے!“

”ہو سکتا ہے وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہو۔“ عاقِب نے کہا۔ ”ورنہ دو تین منٹ بعد اُوپر ضرور آتا۔“

”آؤ، نیچے چل کر دیکھتے ہیں۔“ نسیم نے کہا۔ چند لمحوں کے اندر لڑکے تیّار ہو گئے اور سمندر میں کُود گئے۔

کمال انہیں کہیں نظر نہ آیا تھا۔ اُن کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔ اچانک سمندر میں نیچے دائیں جانب، اُنہیں کچھ چٹّانیں نظر آئیں۔ نسیم نے عاقِب کی طرف دیکھ کے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ کمال ان چٹّانوں کے اندر نہ پھنس گیا ہو۔

عاقِب نے اپنا سر ہلکے سے ہلایا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ ہمیں اِن چٹّانوں میں اُسے تلاش کرنا چاہیے۔ یہ چٹانیں اُونچی نیچی تھیں اور ان میں کئی جگہ بڑے بڑے شگاف تھے۔ اتنے بڑے کہ اُن میں سے ایک آدمی بہ آسانی

گزر سکتا تھا۔ نسیم اور عاقِب شگافوں میں جھانکنے لگے لیکن انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ کاش اُن کے پاس واٹر پروف ٹارچ ہوتی۔ تب وہ ان کے اندر روشنی ڈال کر دیکھ سکتے کہ کمال کسی شگاف کے اندر تو نہیں پھنس گیا۔

انہوں نے غور سے دیکھا اور ہر شگاف کے اندر ایک اور منٹ گزارا۔ جوں ہی وہ کسی شگاف میں سے گزرتے بے شمار ننّھی مُنّی مچھلیاں بھاگ کر باہر آ جاتیں۔ اس کا مطلب تھا کہ اندر کوئی آدمی نہیں ہے۔

دس پندرہ منٹ بعد جب عاقِب اور نسیم تھک گئے تو اُوپر جانے کے لیے پاؤں ہلانے لگے۔ اچانک کمال اُن کے پاس سے تیزی سے گزرا۔

عاقِب اور نسیم کے دل زور سے دھڑکے۔ آخر کمال مل ہی گیا تھا لیکن وہ بیس پچیس منٹ پانی کے اندر کیسے رہا۔ اس کے پاس تو گیس کے سلنڈر نہ تھے۔ وہ تو صرف دو تین منٹ تک پانی میں رہ سکتا تھا۔

عاقِب اور نسیم پھُرتی کے ساتھ کمال کے پیچھے سطح پر آ گئے اور پھر ساحل پر پہنچ گئے۔ انہوں نے کمال کو زور زور سے جھنجھوڑا اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ

کیا ہوا تھا؟ منہ سے وہ اس لیے نہ بول سکے کہ ابھی وہ چہرے کا خول نہ اُتار سکے تھے۔

کمال اُن کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اُس نے کہا۔ ”مجھے کچھ ملا ہے!“ وہ بہت خوش تھا۔ ”بوجھو تو بھلا کیا؟“

”تمھیں اپنا قُطب نُما ملا ہو گا۔“ نسیم نے کہا۔ وہ اب خُود اُتار چکا تھا۔ ”مگر یہ بتاؤ کہ تم نے بیس پچیس منٹ پانی کے نیچے کیسے گزارے؟“

”خیر، اب تو میں آ ہی گیا ہوں۔“ کمال نے کہا۔ ”تم بتاؤ کہ مجھے کیا ملا ہے؟ قُطب نُما کے علاوہ۔“

”قُطب نُما کے علاوہ کیا مل سکتا ہے؟ اس وقت میں اور عاقِب بہت گھبرائے ہوئے ہیں اور تمھیں چٹانوں کے شگافوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکے ہیں۔“

”تم خود ہی بتا دو۔ ہم بہت پریشان ہیں اس وقت۔“ عاقِب نے کہا۔ ”ویسے

میں اتنا تو بتا سکتا ہوں کہ جو کچھ بھی ہے، وہ اچھا ہی ہے۔"

"ہاں۔۔۔۔۔ یہ دیکھو۔۔۔" کمال نے اپنی دائیں مُٹھّی کھول دی۔ اُس کی ہتھیلی پر چار پانچ اشرفیاں چمک رہی تھیں!

"یہ تمہیں کہاں سے ملیں؟" عاقِب چلّایا۔ وہ خوش تھا۔ نسیم اشرفیوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ چٹانوں میں جو گہرے شگاف ہیں، ان میں سے ایک شگاف آگے چل کر ایک خشک غار میں نکلتا ہے۔ میں اُس راستے سے ہو کر خشک غار تک چلا گیا۔ یہ میرے لیے ایک عجیب و غریب تجربہ تھا۔ وہیں راستے میں مجھے یہ اشرفیاں مل گئیں اور میں شرط لگاتا ہوں کہ وہاں اور بھی اشرفیاں ہوں گی!"

پھنس گئے

”جب میں اپنا قُطب نُما لے کر آنے لگا تو مجھے یہ چٹانیں نظر آئیں اور جب میں چٹانوں کے نزدیک پہنچا تو بڑے بڑے شگاف نظر آئے۔ میں نے سوچا کہ کشتی تو ٹوٹ ہی چکی ہے، کیوں نہ ان شگافوں میں خزانہ تلاش کروں۔“ کمال نے بتایا۔

”پھر؟“ نسیم نے سوال کیا۔

”پھر میں چند شگافوں کے اندر گیا۔ ایک شگاف میں داخل ہوا۔ وہ مجھے اس

خشک غار تک لے گیا۔ وہاں میں سطح پر آ گیا۔ میں نے کچھ دیر سانس لیا اور آس پاس غور سے دیکھا۔ اب میں تازہ دم ہو چکا تھا، اس لیے واپس چل پڑا۔ واپسی کے راستے پر میں نے غور کیا تو نزدیک ہی ایک اشرفی ملی۔ ذرا سا اور تلاش کیا تو ایک اور ملی۔ تب میں تھک گیا اور سانس لینے کے لیے غار کی طرف چلا گیا۔ تازہ دم ہو کر پھر میں نے کوشش کی تو تین اشرفیاں اور ملیں۔"

"اور ہم یہاں تمھیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے۔" عاقِب نے کہا۔ "خیر، اب ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔ ہم غوطہ خوری کا لباس پہن کر چلیں گے اور ہمیں بار بار پانی کی سطح پر جانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ اس طرح ہم کم وقت میں زیادہ اشرفیاں ڈھونڈ سکیں گے۔" نسیم بولا۔

نسیم اور عاقِب کمال کے ساتھ پانی میں چلے گئے۔ وہ بھول چکے تھے کہ جعفر بھی ان کا انتظار کر رہا ہو گا۔ انہیں صرف ایک دُھن تھی۔ خزانے کی تلاش۔ اس خزانے کی تلاش جو پرانی روایات کے مطابق کن کٹے کپتان

نے کھو کھلے بھُوت کو کھلا دیا تھا۔ اور جب انسان کو خزانے کی تلاش کی دُھن لگ جائے تو اسے اور کہیں کا ہوش نہیں رہتا۔

نسیم اور عاقِب بھی کمال کے ساتھ ساتھ چلتے گئے۔ کمال مچھلی کی سی پھُرتی کے ساتھ پانی میں چلا جا رہا تھا۔ وہ واقعی غوطہ خوری کے فن میں ماہر تھا۔ جلد ہی ایک شگاف میں داخل ہو گیا۔ اب وہ اکیلا نہ تھا۔ عاقِب اور نسیم بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ جلد ہی وہ غار میں پہنچ گئے۔ اب کمال اُوپر جا رہا تھا۔ نسیم اور عاقِب بھی اس کے پیچھے پیچھے اوپر چلے۔ چند ہی لمحوں بعد وہ پانی کی سطح پر پہنچ گئے۔

غار کا آخری حصّہ پانی کی سطح سے پانچ فٹ اونچا تھا۔ اس کی چھت میں کائی اور اسی قسم کے سبز پودے لٹکے ہوئے تھے۔ یہ غار ایک ایسی ٹوپی کی شکل کا تھا جو سمندر کے ایک حصّے پر اُلٹا دی گئی ہو۔

تینوں لڑکے سطح پر آ گئے اور مُنہ سے خُود ہٹا کر باتیں کرنے لگے۔

"یہ ہے میرا دریافت کیا ہوا غار۔" کمال نے کہا۔ "کہو کیسی جگہ ہے؟"

”بہت دل چسپ۔“ نسیم نے کہا۔ ”میرا خیال ہے یہ جزیرہ ہاتھ کا وہ کھوکھلا پینداہے جہاں سے سمندری طوفان کے وقت پانی کی پھوہار جزیرے پر جا گرتی ہے۔“

”افّوہ! نسیم، تم تو سچ مچ بہت عقل مند ہو۔“ عاقِب نے کہا۔ ”تمہاری بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔ یہی وہ غار ہے جس کا راستہ کہیں نہ کہیں جزیرہ ہاتھ پر پہنچتا ہو گا۔“ انہوں نے یہ راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی اور جلد ہی ایک طرف وہ مل بھی گیا۔ مگر یہ اتنا چھوٹا تھا کہ کوئی جاندار چیز اس میں نہ گُزر سکتی تھی۔ اب تینوں لڑکے خزانہ تلاش کرنے لگے۔

سب سے پہلے کمال نیچے گیا اور ایک مُٹھّی بند کر کے اوپر آ گیا۔ سطح پر آتے ہی اس نے مُٹھّی کھولی۔ اس میں ریت کے ساتھ دو اشرفیاں تھیں۔ اس نے کہا۔ ”اب تک ہمارے پاس کل سات اشرفیاں ہو گئی ہیں۔ دو اور مل جائیں تو ہم تین تین بانٹ لیں گے۔“

”نہیں۔“ عاقِب نے انکار میں سر ہلایا۔ ”یہ ساری اشرفیاں صرف تمہاری

ہیں۔“

”ہاں، ہم بھی جو اشرفیاں تلاش کریں گے وہ تمہیں دے دیں گے۔“ نسیم نے کہا۔ ”ہمیں تمہارے بیمار والد کی فکر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ جلد از جلد ٹھیک ہو جائیں۔“

”اچھا، اب میں جاتا ہوں۔“ عاقِب نے کہا اور پانی میں غوطہ لگا دیا۔ چند لمحوں بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک اشرفی تھی۔ وہ بہت خوش تھا۔

”اب میں جاؤں گا۔“ نسیم نے کہا۔ نسیم کو عاقِب سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ اس کی مُٹھّی میں اکٹھی تین اشرفیاں تھیں۔

”میرا خیال ہے، یہاں ہم سے پہلے کوئی آدمی نہیں آیا۔“ کمال نے کہا۔ ”ورنہ اتنی اشرفیاں اتنی آسانی سے نہ ملتیں۔“

”ایک بات اور بھی ہے۔“ عاقِب نے کہا۔

"کیا؟" نسیم نے پوچھا۔

"کمال کر جو تین اشرفیاں پہلے کبھی ملی تھیں، وہ یہیں سے بہہ کر گئی ہوں گی۔"

شام ہوتے ہوئے انہوں نے پچاس پچپن اشرفیاں تلاش کر لیں۔ اشرفیوں کی تلاش میں انہیں وقت کا خیال ہی نہ رہا۔ اُدھر ایک بہت ہی ہولناک چیز ہو رہی تھی۔

کمال کی ٹوٹی ہوئی کشتی پانی کی لہروں کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتی اس شگاف میں اس طرح پھنس گئی جیسے بوتل میں ڈاٹ۔ تینوں لڑکے اب اس غار میں بند ہو چکے تھے۔

عنبر بیگم گُل کے گھر بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ دوپہر کا کھانا وہ ڈاکٹر وُدود کے ہاں کھا آیا تھا اور اب سہ پہر کی چائے بھی پی چکا تھا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر نسیم اور عاقِب اب تک واپس کیوں نہیں آئے؟ ہو سکتا ہے ان پر کوئی مُصیبت آن پڑی ہو۔

یہ خیال آتے ہی وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنے ذہن میں اب تک کی جمع شدہ معلومات دُہرانے لگا۔ شاید اس طرح نسیم اور عاقِب کے بارے میں کوئی بات اور سوجھ جائے۔

اب تک عنبر جو کچھ جان چکا تھا وہ یہ تھا: آج سے بیس پچیس سال پہلے ایک دن سونی کی موت کے بعد کسی شریر لڑکے نے اس کے بھُوت کی بات مشہور کر دی تھی۔ اس کے بعد کافی دنوں تک لوگوں کو سونی کا بھُوت نظر نہ آیا مگر دس سال پہلے پھر یہ بھُوت نظر آنے لگا تھا۔ پرسوں رات جُمعہ خان نے بھُوت کا بھیس بھرا۔

بھُوت کی وجہ سے لوگوں نے ڈھانچوں کے جزیرے پر جانا چھوڑ دیا تھا۔ اور آب کچھ لوگ چاہتے تھے فلم کمپنی والے یہاں سے چلے جائیں۔ اسی لیے ان کا سامان بھی چوری ہوا، کشتی میں بھی سُوراخ ہوا اور تینوں سُراغ رسانوں کو بھی جزیرہ ہاتھ پر لے جا کر چھوڑ دیا گیا۔

یوں لگتا تھا کہ بھُوت اور فلم کمپنی کے بھگانے میں کوئی تعلق ہے! کیا تعلق

ہے؟ عنبر یہ نہیں جانتا تھا اور نہ وہ اب تک عاقِب اور نسیم کے بارے میں کسی نتیجے پر پہنچا تھا۔

آخر اس نے سوچا کہ جلال صاحب کے پاس جا کر انہیں نسیم اور عاقِب کے بارے میں بتا دینا چاہیے تاکہ وہ کسی مصیبت میں پھنس گئے ہوں تو ان کی مدد کی جس سکے۔ یہ سوچ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور جانے کی تیّاری کرنے لگا۔

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور چند لمحوں بعد جعفر کمرے میں داخل ہوا۔ عنبر اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”تم نے کمال کو دیکھا ہے؟“

”ہاں، صُبح ناشتے کے وقت دیکھا تھا۔“ عنبر نے کہا۔ ”نسیم اور عاقِب اس کے ساتھ گئے ہوئے ہیں۔ وہ یہ کہہ کر گئے تھے کہ دوپہر کے کھانے تک واپس آجائیں گے اور اب شام ہونے کو آئی ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ وہ سارا دن غوطہ خوری کرتے رہے ہیں۔“ جعفر کو غصّہ آرہا تھا۔ ”اوہ میرے خدا! وہ کمال کے ساتھ غوطہ خوری کرنے گئے

ہیں!"

"ہاں، میں اب انکل جلال کے پاس جانے والا تھا۔" عنبر نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"تم میرے ساتھ چلو۔" جعفر نے کہا۔ "بس اسی کی کسر رہ گئی تھی۔"

عنبر جعفر سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ "اسی کی کسر رہ گئی تھی" کا کیا مطلب ہے، مگر جعفر کے تیور دیکھ کر اسے یہ بات پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔

جعفر نے عنبر کو موٹر بوٹ میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ جزیروں کی طرف چل دیے۔ پہلے انہوں نے ان جزیروں کا چکّر لگایا جنہیں ہڈیاں کہا جاتا تھا۔ پھر جزیرہ ہاتھ کا رُخ کیا اور اس کے چاروں طرف چکر لگایا مگر کمال، عاقِب اور نسیم انہیں نظر نہ آئے۔

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" عنبر نے کہا۔ "نہ کمال کی کشتی ہی دکھائی

دی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ لوگ آخر گئے کہاں؟“

جعفر نے جھنجھلا کر موٹر بوٹ کا رُخ موڑ دیا۔ اب موٹر بوٹ جزیرہ ہاتھ سے ڈھانچوں کے جزیرے کی طرف جا رہی تھی۔

اُدھر تینوں لڑکے جزیرہ ہاتھ کے نیچے ایک گہرے۔ خشک غار میں موجود تھے اور اب تک وہ پچاس پچپن اشرفیاں جمع کر چکے تھے۔ اچانک کمال نے محسوس کیا کہ غار میں پانی کی سطح بڑھتی جا رہی ہے۔

”اب رات ہونے والی ہے اور مدّو جزر کے باعث سمندر کی لہریں اُونچی ہوتی جا رہی ہیں۔“ کمال نے کہا۔ ”اس لیے ہمیں فوراً چلنا چاہیے۔“

”ہاں، اب ہمیں چلنا چاہیے۔“ نسیم نے کہا اور آگے چل دیا۔ شگاف کے منہ کے پاس پہنچ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔

اُس نے مُڑ کر کمال اور عاقِب کو اشارہ کیا۔ انہوں نے شگاف میں کشتی کو پھنسے ہوئے دیکھا تو سکتے میں رہ گئے۔ وہ تیزی سے واپس غار کی طرف

مُڑے تا کہ صلاح مشورہ کیا جا سکے۔

"میں اسے دھکیل کر دیکھتا ہوں۔" نسیم نے کہا۔ "انہوں! کشتی کو دھکیلنے کی کوشش کرو گے تو غوطہ خوری کے سامان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔" عاقِب نے اسے سے سمجھایا۔

نسیم کا منہ لٹک گیا۔ "یہ تو میں نے سوچا ہی نہ تھا۔"

"میں تو بغیر سامان کے غوطہ خوری کرتا ہوں۔" کمال نے کہا۔ "میں کشتی کو دھکیلنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

کمال نے کوشش کی، مگر بے کار۔ اتنی بڑی کشتی ایک لڑکے کے دھکیلنے سے نہیں ہٹ سکتی تھی۔ کمال کو آتے دیکھ کر عاقِب اور نسیم سمجھ گئے کہ اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔

"سمندر کی لہری بڑھتی جا رہی ہیں۔" عاقِب نے کہا۔ "ہو سکتا ہے لہریں اسے دھکیل کر راستہ کھول دیں۔"

"لیکن مدّو جزر کی لہریں بڑھنے سے ہم ایک اور مصیبت میں پھنس جائیں گے، جس کے بارے میں تم نے اور کمال نے غور ہی نہیں کیا۔" نسیم نے کہا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑنے لگی تھیں۔

"کیا؟" عاقِب نے کہا۔

"ذرا غار کی چھت دیکھو۔ جب ہم یہاں آئے تھے تو یہ پانی کی سطح سے پانچ چھ فٹ اُونچی تھی۔ اب صرف چار پانچ فٹ اُونچی رہ گئی ہے۔ مدّو جزر بڑھے گا تو اس غار میں پانی کی سطح بھی بڑھتی جائے گی، اور جب پانی غار کی چھت تک پہنچ جائے گا تو ہمارا کیا بنے گا؟"

عاقِب اور کمال نے گھبرا کر غار کی چھت کی طرف دیکھا۔ نسیم سچ کہہ رہا تھا۔

اسی لمحے جعفر نے موٹر بُوٹ کا رُخ ڈھانچوں کے جزیرے کی طرف موڑ دیا۔ ابھی وہ موٹر بوٹ کی رفتار تیز کرنے ہی والا تھا کہ عنبر نے اُسے جھنجھوڑ دیا۔ "روکیے! واپس چلیئے! مجھے جزیرے پر ایک جگہ اُن کے کپڑے

نظر آئے ہیں۔

جعفر نے انجن کی رفتار کم کر دی اور پھر رُخ موڑ کر جزیرہ ہاتھ کے ساحل کا چکّر لگایا۔ جلد ہی وہ کپڑوں والی سمت میں پہنچ گئے اور موٹر بوٹ کا انجن بند کر کے ساحل پر اُتر آئے۔

"کشتی تو یہاں کہیں نظر نہیں آ رہی مگر کپڑے بتا رہے ہیں کہ وہ غوطہ خوری کرنے گئے ہیں۔" جعفر نے عنبر سے کہا۔ مگر عنبر وہاں موجود نہ تھا۔ وہ اس وقت سیدھا جزیرے کے درمیانی حصّے کی طرف جا رہا تھا جو اونٹ کے کوہان کی طرح اُوپر اُٹھا ہوا تھا اور جہاں سے طوفانی رات کو پانی کی پھوہاریں گر رہی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ وہ لوگ کھو کھلے جزیرے کا معائنہ کر رہے ہوں گے اور اور اُونچے نیچے ٹیلے کے پیچھے نظر آ جائیں گے۔ مگر جب وہ وہاں پہنچا تو اسے سخت مایوسی ہوئی۔ کمال، عاقِب اور نسیم وہاں بھی نہ تھے۔

مایوسی کے عالم میں وہ ایک اونچے ٹیلے سے کمر ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ جعفر بھی

وہیں چلا آیا۔

"اس جزیرے کا تو ہم چکّر لگا چکے تھے۔ اگر وہ یہاں ہوتے تو ہمیں موٹر بوٹ میں سے ہی نظر آ جاتے۔" جعفر نے کہا۔ ساتھ ہی اس نے ایک کنکر اُٹھا کر زور سے پھینکا۔ کنکر سامنے کی دو چٹانوں کے درمیان ایک شگاف میں جا پڑا۔ مگر وہ شگاف خاصا گہرا تھا۔ پتھر کے ٹکرانے کی آواز نہ آئی۔

"میرا خیال ہے، ہمیں ڈھانچوں کے جزیرے پر جا کر ان لوگوں کو اس صورتِ حال سے آگاہ کر دینا چاہیے تاکہ ماہر غوطہ خوروں کو بُلا کر سمندر میں اُن کی تلاش کی جائے۔"

جعفر ساحل کی طرف چل پڑا۔ عنبر اس کے پیچھے پیچھے تھا، اس کا دل کہہ رہا تھا کہ کمال، عاقِب اور نسیم کسی مصیبت میں گرفتار ہیں اور اُن کو مدد کی ضرورت ہے۔ ایک دو بار تو اسے یہ شُبہ ہوا کہ اس نے اُن کی مدّھم سی آواز بھی سُنی ہے۔ اچانک وہ دیوانوں کی طرح بھاگا۔ اس کی سمجھ میں کچھ آ گیا تھا۔

وہ سیدھا اس شگاف کی طرف گیا، جہاں جعفر نے بے دھیانی میں کنکر پھینکا تھا اور اس سے منہ لگا کر زور زور سے چلّانے لگا۔ ”عاقِب! نسیم! کیا تم نیچے ہو؟“

جعفر اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ عنبر یہ سب کیا کر رہا ہے لیکن جب عنبر کو وہاں سے ہٹانے کے لیے جھکا تو جھکا ہی رہ گیا۔ شگاف میں سے مدّھم سی آوازیں آرہی تھیں۔ ”عنبر عنبر! ہم یہاں پھنس گئے ہیں! مدد!“

کمال کا چاقو

عنبر نے چیخ کر اُن سے پوچھا کہ وہ اس وقت کہاں ہیں اور وہاں کیسے پہنچے۔ عاقِب نے نیچے سے مختصر سا جواب دیا۔ اس نے شگاف میں پھنسی ہوئی کشتی کا بتایا اور کہا کہ کشتی کو وہاں سے ہٹا دو تا کہ ہم یہاں سے نکل سکیں۔ چند لمحوں کے اندر اندر جعفر اور عنبر موٹر بوٹ پر پہنچ گئے۔ جعفر نے پوری رفتار سے کشتی ڈھانچوں والے جزیرے کی طرف موڑ دی۔ منٹوں میں وہ وہاں پہنچ گئے۔ جعفر نے وہاں سے غوطہ خوری کا سامان لے کر دوبارہ انجن چالو کیا اور عنبر سے کہا کہ ساحل پر پہنچنے سے پہلے ہی فلاں بٹن

سے انجن بند کر دے۔ جعفر اس دوران میں غوطہ خوری کا لباس پہننے لگا۔ چند منٹوں میں وہ ساحل سے کچھ فاصلے پر پہنچ گئے۔ عنبر نے انجن بند کر دیا اور موٹر بوٹ رُک گئی۔ جعفر نے کہا۔ ”میں نیچے جا رہا ہوں کشتی نکالنے۔ تم یہیں میرا انتظار کرو۔“

جعفر چند لمحوں میں پھنسی ہوئی کشتی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے غور سے کشتی کو دیکھا اور پھر اسے کھینچنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اس کوشش میں ناکام رہا۔ اس نے ایک بار پھر کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

وہ ایک منٹ بھی ضائع کیے بغیر اُوپر آ گیا اور عنبر سے کہنے لگا۔ ”کشتی سِرک نہیں رہی۔ ہمیں مدد کی ضرورت پڑے گی۔“

”ٹھہریے!“ عنبر نے اسے کشتی میں آنے سے منع کیا۔ ”مجھے ایک خیال سوجھا ہے۔ آپ رسّی کا ایک سِرا نیچے کشتی میں باندھ آئیں اور دوسرا سِرا موٹر بوٹ میں باندھ دیں۔ اس طرح انجن کی مدد سے کشتی وہاں سے نکل آئے گی۔“

"تمہارا خیال تو ٹھیک ہے۔ موٹر بوٹ میں رسّی ہے۔ میں کشتی میں باندھ کے آتا ہوں۔" جعفر رسّی کا ایک سِرا پکڑ کر نیچے چلا گیا۔

اُدھر غار میں پانی کی سطح آہستہ آہستہ بلند ہوتی جا رہی تھی۔ کمال، عاقِب اور نسیم ایک ایک منٹ گِن گِن کر گزار رہے تھے۔ پانی اب غار کی چھت سے صرف دو فٹ نیچے تھا اور وہ اس میں تیر رہے تھے۔

"اگر مدد اور کچھ دیر تک نہ آئی تو؟" نسیم نے دھڑکتے دل سے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔" عاقِب نے اسے سمجھایا۔ "اللہ پر بھروسا رکھو۔ آؤ ہم کشتی کی طرف چلیں۔"

"اچھا، مگر پہلے میری ایک بات سُن لو۔ کمال نے اسے اشرفیوں کی پوٹلی دکھاتے ہوئے کہا۔ "ان اشرفیوں کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ اگر کسی کو پتا چل گیا تو چند ہی دن میں وہ لوگ یہاں آجائیں گے اور میرا۔۔۔"

"اچھا، اب آؤ چلیں۔" عاقِب نے کہا۔

چلو، یہ طے رہا کہ میری اشرفیوں کا ذکر کسی سے نہیں کیا جائے گا۔" کمال نے تاکید کی۔

"ہاں۔" نسیم بولا۔ "عنبر کے سوا۔"

"اسی کے پاس تو میں یہ اشرفیاں چھپانے جارہا ہوں۔" یہ کہہ کر کمال آگے چل دیا۔ عاقِب اور نسیم اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

جعفر نے کشتی میں رسّی باندھی اور پھر اُوپر آکر دوسرا سرا موٹر بوٹ سے باندھ دیا۔ اُس کے بعد اُس نے موٹر بوٹ کا انجن سٹارٹ کیا۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ عنبر کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

جعفر نے رفتار اور تیز کر دی، لیکن موٹر بوٹ اب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ عنبر کا دِل اور زور سے دھڑکنے لگا۔

جعفر نے پوری رفتار کر دی۔ اب موٹر بوٹ آہستہ آگے بڑھی، اور تھوڑی دور جا کے ایک دم تیز ہو گئی۔ جعفر نے انجن بند کر دیا اور لڑکوں کو بلانے

کے لیے پانی میں چلا گیا۔ کشتی نکل چکی تھی۔ عنبر نے خُدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اب جعفر نیچے گیا ہو گا۔ اب وہ کھو کھلے جزیرے کے نیچے پہنچا ہو گا اور ان لوگوں کو واپس لا رہا ہو گا۔ اس نے سوچا کہ اب ایک دو منٹ میں وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔

اسی لمحے موٹر بوٹ کے بائیں کنارے پر پانی سے ایک سر باہر نکلا۔ یہ کمال تھا۔ اس نے سر باہر نکال کہ ایک زور دار سانس لیا۔ پھر عنبر کی طرف بڑھا اور اشرفیوں کی تھیلی اس کے پاؤں کے پاس پھینک دی۔ ”عنبر! اسے چھپالو۔“ اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”کسی کو اس کا پتا نہ چلے۔ یہ میری امانت ہے۔ یہ ہمیں پانی میں سے ملی ہیں۔ تفصیل پھر بتاؤں گا۔“

عنبر کے پاس اس تھیلی کو چھپانے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ وہ اس پر بیٹھ گیا۔

اسی لمحے عاقِب کا سر پانی میں سے باہر نکلا اور پھر اس کے بعد نسیم کا۔

”تم نے بہت اچھا کیا عنبر کہ ہماری آواز سُن لی۔“ عاقِب نے خوش ہو کر کہا۔ ”تمہارا بہت بہت شکریہ۔“

”اور جعفر کا بھی۔“ نسیم نے کہا۔

”ویسے جعفر صاحب بہت غصّے میں ہیں۔“ عنبر بتایا۔

”وہ غصّہ کرنے میں حق بہ جانب ہیں۔“ نسیم نے کہا۔ ”ہم نے بھی تو حماقت کی۔“

”شی!“ عاقِب نے نسیم کو چُپ رہنے کا اشارہ گیا۔ اسی لمحے جعفر پانی سے باہر آگیا۔ وہ آکر موٹر بوٹ میں بیٹھ گیا اور غوطہ خوری کا سامان اُتارنے لگا۔

”مجھے تم لوگوں کے زندہ بچنے پر بہت خوشی ہے۔ ”خدا کا شکر ہے۔“ جعفر نے کہا۔ ”لیکن آخر یہ سب تھا کیا؟“

”دراصل، جناب۔۔۔“ نسیم نے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ جعفر نے غصّے سے کہا۔ ”جناب وناب کو چھوڑو۔ میں کہتا ہوں کہ آخر تم لوگ دن بھر سمندر میں کیا کرتے رہے؟ ہم لوگ تو پہلے ہی پریشان تھے۔ تم نے آکر اس پریشانی میں اور اضافہ کر دیا۔ انور صاحب اور جلال صاحب کو معلوم

ہو گا تو وہ کیا کہیں گے؟"

"کیا کہیں گے؟" عنبر نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"کیا کہیں گے؟" جعفر نے ڈیرا۔ "فلم بنانے کے خیال کو ختم کر کے تمہارا واپسی کا ٹکٹ کٹوا دیں گے۔ میں ان طبیعت سے واقف ہوں۔ وہ ایسا مذاق برداشت نہیں کرتے۔۔" یہ کہہ کر وہ کمال کی طرف مُڑا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ویسے ہمارا ایک مسئلہ حل ہو گیا۔"

"کیا؟"

"رات چور پھر آیا تھا اور وہ ہمارے کیمرے کے دو شیشے اُتار کر لے گیا۔ مگر اپنی ایک نشانی غلطی سے چھوڑ گیا۔"

"کیا؟"

"یہ چاقو، جس پر کمال لکھا ہے۔ اور یہ کمال کا ہی ہے۔" جعفر نے یہ کہتے ہوئے جیب سے ایک چاقو نکال کر لڑکوں کو دکھایا۔

”کیا یہ چاقو تمہارا ہے؟“ عنبر نے حیرت سے کمال کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔ ہے تو میرا ہی مگر اس غار میں گُم ہو گیا تھا جہاں میں نے تمہیں ڈرایا تھا۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتا۔“ کمال نے بڑی معصومیت سے کہا۔

”تم جو کچھ جانتے ہو، وہ پولیس انسپکٹر کو بتاؤ گے، جس کے پاس ہم اس وقت جا رہے ہیں۔“ جعفر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

پریشانی

”اب کیا کریں، بجّو جی؟“ عاقِب نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ ”ہمیں تو یہاں نظر بند کر دیا گیا ہے۔“

عاقِب اگلے دن بیگم گُل کے ہاں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔ جلال اور انور صاحب نے رات یہ پیغام بھیجا تھا کہ آج کے دن تینوں لڑکے صُبح سے شام تک گھر پر رہیں گے تا کہ وہ لوگ سکون سے اپنا سیٹ تیار کر سکیں۔

''بھئی، ہم تو صرف نظر بند ہیں۔'' نسیم نے کہا۔ ''بے چارے کمال کے بارے میں بھی تو سوچو جو جیل میں ہے۔''

عنبر چُپ چاپ لیٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں چھت پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اپنا نچلا ہونٹ نوچ رہا تھا۔

''میرا خیال ہے، کمال چور نہیں ہے۔'' نسیم نے کہا۔ ''ہاں، ایک لڑکا دوسرے لڑکے کے بارے میں زیادہ بہتر جان سکتا ہے بہ نسبت بڑی عمر کے آدمیوں کے۔'' عاقِب نے کہا۔ ''اور ہم جانتے ہیں کہ کمال چور نہیں ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے، عنبر؟'' نسیم نے کہا۔

''ہوں۔۔۔۔۔؟'' عنبر نے ہاتھ کی انگلیاں ہونٹ پر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''کیا پُوچھ رہے تھے تم؟''

''نسیم کہہ رہا تھا کہ کیا تم کمال کو چور سمجھتے ہو؟'' عاقِب نے کہا۔

”نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”اس کا چاقو چوری کی جگہ سے مِل جانا اُسے مجرم ثابت نہیں کرتا۔“

”ہاں۔ یہ چاقو توڈھانچوں کے جزیرے کے غار میں گُم ہوا تھا۔“ عاقِب نے کہا۔ ”کمال نے جعفر صاحب کو یہی بتایا تھا کل۔“

”مگر لوگ اس کی بات کو سچ نہیں مانیں گے۔“ عنبر نے کہا۔ ”وہ تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ کمال کو پکڑ کر انہوں نے ڈھانچوں کے جزیرے کے راز سے پردہ اُٹھا دیا ہے۔ بڑی عمر کے لوگ بس یوں ہی سمجھتے ہیں۔“ عنبر بڑا اُداس نظر آرہا تھا۔

”ویسے تمہارے خیال میں یہ راز کیا ہے؟“ نسیم نے کہا۔

”راز تو سیدھا سادہ ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”کوئی نہ کوئی آدمی یہاں ایسا ہے جو لوگوں کو ڈھانچوں کے جزیرے میں جانے سے روکنا چاہتا ہے۔“

”مگر وہ کون ہے؟“

”یہی تو میں ابھی تک نہیں جان سکا۔ مگر میرا دماغ اس بارے میں برابر سوچ رہا ہے۔ میں کافی معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ کسی نہ کسی لمحے میری سمجھ میں بات آ ہی جائے گی۔“

”تم نے کیا معلومات حاصل کی ہیں؟“

”میں نے کل۔۔۔۔“

عنبر نے اپنی بات بیچ میں روک دی۔ نسیم اور عاقِب نے مُڑ کر دیکھا تو انسپکٹر کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

”میں تم لوگوں سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے تم بالکل سچ سچ بتا دو گے۔“

”جی، ضرور۔“ عنبر نے کہا۔ ”تشریف رکھیے اور فرمایئے۔“

”بچّو۔“ انسپکٹر نے کہا۔ ”تمہارا دوست کمال، جیسا کہ تم جانتے ہو، حوالات میں ہے اور حالات اس کے خلاف جا رہے ہیں۔“

”لیکن ہم جانتے ہیں جناب کہ وہ چوری نہیں کر سکتا۔“ عاقِب نے کہا۔
”تمہارے کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ انسپکٹر نے کہا۔ ”سارے ثبوت تو اس کے خلاف ہیں۔“

”مگر جناب، اسے چوری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ نسیم نے کہا۔
”ضرورت کیوں نہیں؟“ انسپکٹر نے کہا۔ ”وہ باپ کا علاج کرانا چاہتا ہے۔ کیا یہ غلط ہے؟“

”یہ غلط نہیں ہے۔“عنبر نے کہا۔

”لیکن اُسے چوری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے پاس دولت ہے اور ہو سکتا ہے اور دولت اُسے مِل جائے۔“ نسیم نے یہ کہہ کر فوراً ہی دانتوں میں انگلی دبالی۔ اس نے خزانے کا راز کھول کر اچھا نہ کیا تھا۔ کمال نے اسے منع کیا تھا کہ اس کا کسی سے ذکر نہ کیا جائے۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

”دولت؟“ انسپکٹر نے کہا۔ ”اس کے پاس دولت کہاں آئی؟“

تینوں لڑکے چپ رہے۔

"میں سمجھتا ہوں تم لوگ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔" انسپکٹر نے کہا "دیکھو! مجھے سچ سچ بتا دو۔ اگر مجھے ذرا بھی محسوس ہوا کہ تمہارا دوست بے قصور ہے تو ضمانت پر رہا کرا دوں گا۔"

"نسیم! کل جو اشرفیاں ملی ہیں وہ انہیں لا کر دے دو اور سب کچھ سچ سچ بتا دو۔" عنبر نے کہا۔

نسیم اپنے بستر کی پائنتی کی چادر کے نیچے سے پوٹلی نکال کر لے آیا۔ اس نے صوفے پر اشرفیاں نکال کر ڈال دیں اور قصّہ سنانے لگا۔

"لیکن خزانہ تو کل ملا ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "اور چوری اس سے پہلے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ کیمرے کے شیشے بھی اس جھونپڑی کے پاس ہی ایک جھاڑی سے بر آمد ہوئے ہیں، جہاں کمال اپنے بیمار باپ کے پاس رہتا ہے۔ یہ ساری باتیں اس کے خلاف ہیں۔"

اسی اثنا میں بیگم گُل کمرے میں چائے لے کر آئیں۔ صوفے پر اشرفیاں دیکھتے ہی ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مگر وہ بغیر کچھ کہے چائے میز پر رکھ کر اُلٹے پاؤں واپس چلی گئیں۔ باورچی خانے میں ان کی سہیلی حمیدہ بیٹھی ہوئی تھی جسے انہوں نے فوراً یہ خبر سنا دی۔ حمیدہ نے یہ خبر اپنے گھر سنائی اور پھر یہ خبر۔۔۔۔۔ اور آگے۔۔۔۔۔۔۔۔ اور آگے پھیلتی چلی گئی۔

"لیکن انسپکٹر صاحب۔" اُدھر عنبر کہہ رہا تھا۔ "کل جب میں آپ کی کار میں سے اُترا تو ایک لمبا تڑنگا آدمی مجھے ملا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ہم سب لوگوں کو ڈھانچوں کے جزیرے سے چلا جانا چاہیے، ورنہ اس کا انجام اچھّا نہ ہو گا۔"

انسپکٹر کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔ "تم نے کہا لمبا تڑنگا۔"

"جی ہاں۔" عنبر نے کہا۔ "خاصا لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ پتلے سے لمبوترے چہرے والا۔ اس کے ایک ہاتھ کی پُشت پر زخم کا نشان بھی تھا۔"

”ہوں۔۔۔۔۔وہ بلّو ہو سکتا ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے دس سال کی قید کاٹ کر رہا ہوا ہے۔“

”کس لیے قید کاٹی تھی اس نے؟“ عنبر کا دایاں ہاتھ اس کے ہونٹ کی طرف بڑھ گیا اور اسے نوچنے لگا۔

”سرکاری رقم لوٹنے کے سلسلے میں۔ پورے دس لاکھ روپے کا ڈاکا ڈالا تھا اس نے۔“

”اچھا!“ عنبر نے کہا۔ ”بہرحال جناب، آپ اس بات پر بھی غور کریں کہ یہاں کوئی شخص ہم لوگوں کو جزیرے پر جانے سے روکنا چاہتا ہے اور وہی اس سارے چکّر کے پیچھے ہو سکتا ہے۔“

”بات کچھ کچھ سمجھ میں آتی جا رہی ہے۔“ انسپکٹر نے کہا۔ ”میرا خیال ہے، کمال واقعی بے قصور ہے۔ اچھا، میں ڈاکٹر وُدود کے پاس جا کر کمال کی ضمانت کا بندوبست کرتا ہوں۔ وہ ایسے نیک کاموں میں حصّہ لینے کے لیے ہر وقت تیّار رہتے ہیں۔ تم اطمینان رکھو۔ شام تک تمہارا دوست کمال رہا کر

دیا جائے گا۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ، جناب۔" عنبر نے کہا۔

انسپکٹر کے جاتے ہی بیگم گُل آ گئیں اور بولیں۔ "دیکھا۔ لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ تم واقعی خزانے کے چکّر میں یہاں آئے ہو۔ کہاں سے ملا تمہیں یہ خزانہ؟ ڈھانچوں کے جزیرے سے نا؟"

"نہیں، وہاں سے نہیں۔" عنبر نے کہا۔ اچانک اُسے ایک زور دار چھینک آئی اور وہ بستر پر لیٹ گیا۔ "یہ تو ہمیں سمندر میں سے ملا ہے۔"

لڑکوں نے لاکھ کہا، مگر بیگم گُل یہ ماننے والی نہیں تھیں کہ خزانہ ڈھانچوں کے جزیرے سے نہیں ملا۔

ان کے کمرے سے جاتے ہی عنبر نے سر پیٹ لیا "یہ تو بہت ہی بُرا ہوا!"

"ہاں، اب چند منٹوں کے اندر اندر یہ خبر سارے شہر میں پھیل جائے گی۔" نسیم نے کہا۔

"اور خبر پھیلتے ہی شہر کا ہر چھوٹا بڑا کل صُبح جزیرے پر جا پہنچے گا۔" عاقِب بولا۔

"اور انور صاحب نے جو سیٹ تیار کرایا سب کا سب غارت ہو جائے گا۔" عنبر نے ہونٹ نوچتے ہوئے کہا۔

جُمعہ خان کا اصل روپ

نسیم اور عاقِب تو شام ڈھلے ہی سو گئے، البتّہ عنبر کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

وہ سارے واقعات کو اپنے ذہن میں ترتیب وار لا رہا تھا تاکہ کسی نتیجے پر پہنچ سکے۔ اس نے شروع سے سب واقعات پر غور کیا اور سوچتا رہا۔ اس کا ہاتھ اس کے ہونٹوں کی طرف بڑھا۔ اب وہ کوئی انتہائی اہم بات سوچ رہا تھا۔

”دس سال۔۔۔۔ بلّو۔۔۔ سونی کا بھُوت!“ وہ بڑبڑایا۔ اچانک وہ ایک

جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا۔

ڈھانچوں کے جزیرے کا راز اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی عاقِب اور نسیم کو جھنجھوڑ کر جگایا اور انہیں سب کچھ بتا دیا۔

"عنبر، تم ہمارے سُراغ رسانی کے گروپ کی جان ہو۔" نسیم نے اُسے گلے سے لپٹا لیا۔ "صرف تم ہی یہ راز سمجھ سکتے تھے۔"

"نہ جانے سمجھنے میں اتنی دیر کیوں لگی۔" عنبر نے کہا۔ "لیکن اب تم دونوں فوراً لباس بدلو اور ڈھانچوں کے جزیرے پر چلے جاؤ۔ وہاں میری باتوں کو صحیح پاؤ تو فوراً انکل جلال، جعفر صاحب اور انور صاحب کو جگا دو۔ باقی کام وہ خود سنبھال لیں گے۔"

"مگر عنبر۔" نسیم نے کہا۔ "ابّو کو تو ابھی بتا دیں۔"

"نہیں۔ پہلے کسی کو نہیں بتانا۔" عنبر نے کہا۔ "اگرچہ خیال کے صحیح ہونے کا پورا یقین ہے، پھر بھی بات غلط نکلی تو سارے بڑے آدمی جو پہلے ہی سے

ناراض ہیں، اور ناراض ہو جائیں گے اور ہو سکتا ہے ہمیں فوراً گھر واپس بھیج دیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" عاقِب نے کہا۔ "یہ بڑی عمر کے لوگ بچّوں کی ہر بات کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"

"اچھا تو ہم چلتے ہیں۔" نسیم نے کہا۔ "اس کام میں کوئی خطرہ تو نہیں ہے نا؟"

"نہیں۔ سیدھی سادی بات ہے۔ اس میں کوئی خطرہ نہیں۔" عنبر نے کہا۔

"اچھا، خدا حافظ!"

نسیم اور عاقِب کے جانے کے پندرہ بیس منٹ بعد اچانک عنبر بستر سے اُٹھ کر زمین پر کھڑا ہو گیا۔

اسے اچانک یہ بات سوجھ گئی کہ جس کام کے لیے اس نے عاقِب اور نسیم کو ڈھانچوں کے جزیرے پر بھیجا تھا، اس میں تو کافی خطرہ ہے۔ عاقِب اور نسیم

کی جان تک جا سکتی ہے۔ یہ خطرہ اس وقت اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا جب نسیم نے اس سے پوچھا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح جلدی جلدی کپڑے بدلنے لگا۔ پھر تیز قدموں سے گھر سے باہر نکل گیا۔

اُدھر نسیم اور عاقِب ڈھانچوں کے جزیرے پر اُترے تو وہاں پر اسرار خاموشی طاری تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہے تھے۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" نسیم نے کہا۔ "عنبر نے ہمیں ابّو کو بتانے سے منع کیوں کر دیا؟"

"اس لیے کہ اس کا خیال غلط بھی ہو سکتا ہے۔" عاقِب نے کہا۔

"لیکن مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" نسیم بولا۔

"سُراغ رساں ڈرا نہیں کرتے۔" عاقِب نے یاد دلایا۔ "اس سے پہلے ہم ایسے کئی خطروں سے سے گزر چکے ہیں مگر اس اندھیری رات میں غار کی تاریکیوں کے اندر۔۔۔۔" نسیم کی بات ادھوری رہ گئی۔ پیچھے سے کسی نے

ٹارچ کی روشنی اُن پر ڈالی تھی۔ دونوں کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے سہ گیا۔

ٹارچ والا آدمی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ان کی طرف آرہا تھا۔ اب نسیم اور عاقِب کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ بھی اپنی ٹارچ جلا کر یہ دیکھیں کہ آنے والا کون ہے۔

آنے والا جُمعہ خان تھا۔ فلم کمپنی کا چوکیدار۔ وہ اسے دیکھ کر مُسکرانے لگے۔

"تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟" جُمعہ خان نزدیک آتے ہوئے بولا۔

"ہم یہاں ڈھانچوں کے جزیرے کے راز کا پتا لگانے آئے ہیں۔ عنبر نے سُراغ لگالیا ہے۔" نسیم نے کہا۔

"جزیرے کا راز۔" جُمعہ خان نے حیرت سے نے کہا۔ "یہ کیا اُلٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو؟"

”یہاں سچ مچ خزانہ چھپا ہوا ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”کم از کم عنبر کا یہی خیال ہے۔“

”کن کٹے کپتان کا خزانہ؟“ جُمعہ خان نے کہا۔

”نہیں، دس لاکھ روپے والا خزانہ۔“ عاقِب نے کہا۔ ”تم ہی نے تو یہ مسئلہ حل کرنے میں عنبر کی مدد کی ہے۔“

”میں نے؟“ جُمعہ خان نے حیرت سے کہا۔ ”یہ تم کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو؟ صاف صاف بتاؤ۔“

”تم ہمارے ساتھ اس غار کی طرف چلو۔“ نسیم نے کہا۔ ”ہم راستے میں سارا قصّہ سنا دیں گے۔“

”چلو۔“ جُمعہ خان نے کہا۔ ”اب شروع کرو۔“

”تم نے بتایا تھا نا کہ بلّو نے بینک کی گاڑی ڈاکا مار کر دس لاکھ روپے اُڑا لیے تھے اور یہ رقم یا تو کہیں چھپا دی تھی یا سمندر میں ڈال دی تھی؟“

”ہاں۔“

”اور یہ کوئی دس بارہ سال پہلے کا قصّہ ہے۔“

”ہاں۔“

”اور بلّو ایک ہفتہ پہلے جیل سے چھُٹ کر آ گیا ہے۔

”ہاں۔“

”تو بس۔ عنبر نے ان معلومات کی مدد سے یہ نتیجہ نکالا کہ بلّو نے وہ دس لاکھ روپے کے نوٹ سمندر میں نہیں پھینکے تھے بلکہ اس جزیرے کے ایک غار میں چھپا دیے تھے۔“

”اچھا تو یہ بات ہے۔“ جُمعہ خان نے کہا۔ ”مگر یہ کام تو تم کل دن میں بھی کر سکتے تھے۔ رات کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”کل صُبح تو سارا شہر خزانے کی تلاش میں یہاں آ جائے گا۔“ نسیم نے کہا۔ ”ہماری غلطی سے یہ بات شہر میں پھیل گئی کہ یہاں خزانہ ہے۔ کن کٹے

کپتان کا خزانہ۔"

"بس ایسے ہوا کہ ہپ۔۔۔۔ پ۔۔۔۔ پ۔" عاقِب کچھ کہنے لگا تھا کہ کسی نے اس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ جُمعہ خان کا ہاتھ تھا، دوسرے ہی لمحے کسی نے نسیم کو بھی دبوچ لیا۔

"تم ان سپولیوں کو کہاں لے جا رہے تھے؟" کسی نے کہا۔ نسیم اور عاقِب نے دیکھا کہ جُمعہ خان کے علاوہ وہاں دو آدمی اور بھی تھے۔ ایک لمبا تڑنگا اور لمبوترے چہرے والا اور دوسرا ذرا بھاری بھر کم اور درمیانے قد کا۔ یہ بات لمبے آدمی نے کہی تھی۔

"کہیں نہیں، بلّو۔" جُمعہ خان نے کہا۔ "انہوں نے تمہارا راز جان لیا ہے اور اسی لیے یہ یہاں آئے تھے۔ میں انہیں لے کر تمہاری ہی طرف آ رہا تھا۔"

"تو یہ ہے بلّو۔" نسیم اور عاقِب نے سوچا۔ "جس نے دس سال پہلے بینک سے دس لاکھ روپے اُڑائے تھے۔"

”چلو جمّی، جلدی کرو۔“ بلّو نے اپنے ساتھی سے کہا۔

”تو یہ ہے جمّی۔“ نسیم اور عاقِب نے سوچا۔ ”بلّو کا دوسرا ساتھی، اور جُمعہ خان بھی ان لوگوں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ عجیب بات ہے!“

”جمّی اور جُمعہ خان نے لڑکوں کے ہاتھ اُن کی کمر کے پیچھے کر کے باندھ دیے اور کہا۔ ”چلو!“

وہ آگے آگے چل دیے اور بلّو، جمی اور جُمعہ خان اُن کے پیچھے پیچھے۔ جُمعہ خان نے اپنی بندوق کا رُخ نسیم اور عاقِب کی طرف کر رکھا تھا۔

تھوڑی دیر میں وہ جزیرے پر پہنچ گئے، وہاں موٹر بوٹ کھڑی تھی۔

”اوپر چڑھو!“ بلّو نے انہیں حکم دیا، اور جب وہ موٹر بوٹ میں سوار ہو گئے تو اس نے کہا۔ ”جمّی! انہیں اچھی طرح کس کر باندھ دو۔ جب ہم روپے لے آئیں گے تو جاتے وقت انہیں سمندر میں دھکّا دے دیں گے تاکہ مچھلیاں انہیں چٹ کر جائیں۔“ یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا۔

جمّی نے ایک رسّی سے انہیں موٹر بوٹ کے ساتھ اس طرح جکڑ دیا کہ حرکت نہ کر سکیں۔

”اب چلو، روپے لے آئیں۔“ بلّو نے جمّی کو کھینچتے ہوئے کہا۔ جُمعہ خان بھی اس کے ساتھ جانے لگا تو اس نے کہا۔ ”نہیں۔ تم یہیں ٹھہرو اور ان سپولیوں پر نظر رکھو۔ تمہارا حصّہ تمہیں مل جائے گا۔“

بلّو اور جمّی کے جاتے ہی جُمعہ خان بڑبڑایا ”کاش! مجھے یہ پتا چل جاتا کہ ان لوگوں نے وہ دولت کہاں چھپائی ہے۔ اس طرح میں ساری دولت اکیلا ہضم کر سکتا مگر میری ایسی قسمت کہاں ہے۔“

اُدھر جُمعہ خان اپنے آپ کو کوس رہا تھا اور اِدھر نسیم اور عاقِب اپنے آپ کو کوس رہے تھے۔ وہ جُمعہ خان کو صرف چوکیدار سمجھتے تھے۔ وہ تو ڈاکوؤں کا ساتھی نکلا۔ ان فلم کمپنی والوں کو بھی ایک یہی شخص ملنا رہ گیا تھا چوکیداری کے لیے۔ ہونہہ! وہ ایک دوسرے سے باتیں نہ کر سکتے تھے۔ صرف ایک دوسرے کی طرف دیکھ سکتے تھے۔

جُمعہ خان ساحل پر جا کر لیٹ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے لڑکے جن کے منہ اور ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں بھاگ نہیں سکتے۔

اچانک عاقِب اور نسیم کو ایسی سر سراہٹ سنائی دی جیسی کسی کے تیرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس وقت یہاں کون تیر رہا تھا؟

”اے!“ تیر کر آنے والے نے آہستہ سے کہا۔ ”میں کمال ہوں۔ چپ چاپ بیٹھے رہو۔“

نسیم اور عاقِب نے دل ہی دل میں اس امدادِ غیبی کا شکر ادا کیا۔ انہیں یہ سان گُمان بھی نہ تھا کہ کمال اس طرح اچانک ان کی مدد کو آ پہنچے گا۔

کمال نے بڑی احتیاط سے موٹر بوٹ میں قدم رکھا اور پھر عاقِب اور نسیم کو کھولنے لگا۔ عاقِب نے کھلتے ہی کچھ کہنا چاہا لیکن کمال نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ دونوں کو کھول چکا تو اشارے سے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے تیرتے ہوئے آ جاؤ۔

پانچ چھ منٹ تیرنے کے بعد کمال ساحل کی طرف بڑھا اور عاقِب اور نسیم کو بھی آنے کا اشارہ کیا۔ یہاں آ کر وہ ایک بڑی سی چٹان پر چڑھ گئے اور ایک درخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔

"ہم باتیں کر سکتے ہیں۔" کمال نے کہا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔" عاقِب نے کہا۔

"اب ہمیں یہ بتاؤ کہ جیل سے چھوٹ کر یہاں کیسے آ گئے؟"

"سہ پہر کے وقت انسپکٹر اور ڈاکٹر ودُود آئے۔ ودُود صاحب نے میری ضمانت دی اور انسپکٹر نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں سیدھا گھر گیا۔ باپ کی طبیعت کچھ بہتر تھی۔ پڑوسیوں نے اُن کا دھیان رکھا تھا۔ اس کے بعد میں نے کھانا کھایا اور سوچنے لگا کہ میرا چاقو کیمپ میں کیسے پہنچا۔ یہ تو مجھے کل ہی یاد آ گیا تھا کہ وہ غار کے پاس گُم ہوا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ جزیرے پر جُمعہ خان چوکیداری کرتا ہے۔ وہ غار کے پاس سے گزرا ہو گا تو چاقو مل گیا ہو گا۔ تمہیں یاد ہے نا جب تم لوگوں کو میں نے غار میں ڈرایا تھا اور پھر ہم باہر آ کر

باتیں کرنے لگے تھے تو اچانک جُمعہ خان وہاں آ گیا تھا؟ “

”ہاں۔“ نسیم نے کہا۔

”اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ جُمعہ خان کا جزیرے پر چوری کے واقعات سے گہرا تعلّق ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ آج جُمعہ خان کی نگرانی کروں۔ میں نے اپنے پڑوسی سے کشتی مانگی اور شام ڈھلے جزیرے کے دوسری طرف آ کر اُتر گیا۔ رات ہوتے ہی میں نے جُمعہ خان کی نگرانی شروع کر دی اور مجھے جلدی ثبوت مل گیا کہ وہ چوروں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔“

”وہ ثبوت کیا ہے؟“ عاقِب نے پوچھا۔

”اندھیرا ہوتے ہی جُمعہ خان اُدھر گیا جدھر تم موٹر بوٹ میں بندھے پڑے تھے اور انتظار کرنے لگا۔ جب اُس نے موٹر بوٹ کی آواز سُنی تو اس نے تین بار ٹارچ جلا بجھا کر مخصوص اشارہ کیا۔ موٹر بوٹ ساحل کے پاس آ کر رُک گئی۔ اس میں سے دو آدمی نکلے، بلّو اور جمّی، جن کے نام کا مجھے بعد

میں پتا چلا۔ تب سے میں جُمعہ خان کے پیچھے سائے کی طرح لگا رہا اور جب تمہیں ان لوگوں نے باندھ کر موٹر بوٹ میں ڈال دیا تو آہستہ آہستہ تیر کر تم تک آ پہنچا۔" کمال نے اپنا قصّہ ختم کیا ہی تھا کہ نسیم نے موٹر بوٹ کی طرف توجّہ دلائی۔

جُمعہ خان موٹر بوٹ کی طرف سے خشکی کی طرف جا رہا تھا۔ چند لمحوں بعد انہوں نے دیکھا کہ دو سائے جُمعہ خان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

"وہ دیکھو!" کمال نے کہا۔ "بلّو اور جمّی کندھے پر نوٹوں کی بوریاں لادے جا رہے ہیں۔"

"ہمیں نزدیک جا کے ان کی باتیں سُننی چاہیں۔" عاقِب نے کہا۔

وہ آہستہ آہستہ ایک نزدیکی درخت پر چڑھ گئے۔ اب وہ ان لوگوں کی باتیں سُن سکتے تھے۔

"سب ٹھیک ہے نا؟" بلّو نے پوچھا۔

”سب ٹھیک ہے۔“ جُمعہ خان نے جواب دیا۔ ”اب تم میرا حصّہ میرے حوالے کر دو۔“

”ذرا صبر کرو۔“ جمّی نے کہا۔ ”تمہارا حصّہ تمہیں مل جائے گا۔“

”میں نے دس سال تک انتظار کیا ہے۔“ جُمعہ خان نے بگڑ کر کہا۔ ”اب اور انتظار نہیں کر سکتا۔“

”چلو، موٹر بوٹ میں چل کر نوٹ بانٹیں گے۔ جمّی نے ان لڑکوں کو بھی تو ٹھکانے لگانا ہے۔“

”نہیں۔ مجھے اپنا حصّہ یہیں چاہیے۔ سمندر میں کوئی کسی کا دوست نہیں ہوتا۔“ جُمعہ خان نے کہا۔

”تم ہم پر بے اعتباری کیوں کر رہے ہو؟“ بلّو نے کہا۔ ”یاد رکھو، ایک ڈاکو دوسرے ڈاکو کو کبھی دھوکا نہیں دیتا۔“

”آؤ موٹر بوٹ میں چلیں۔“ جمّی نے کہا۔ بلّو نے جو موٹر بوٹ میں نوٹوں

کی بوری رکھ چکا تھا جب یہ دیکھا کہ دونوں لڑکے بھاگ گئے ہیں تو وہ چلّایا۔

"لڑکے کہاں ہیں؟"

"کشتی میں نہیں ہیں؟" جُمعہ خان نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ بھاگ گئے ہیں۔ جلدی کرو۔ کسی بھی لمحے ہم پر مصیبت آسکتی ہے۔" یہ کہہ کر بلّو موٹر بوٹ کا انجن سٹارٹ کرنے لگا لیکن انجن سٹارٹ نہ ہوا۔ بلّو گھبرا کر نیچے اُتر آیا اور جُمعہ خان کو گلے سے پکڑ کر چلّایا۔ "تم نے انجن کو کیا کر دیا ہے؟ اس طرح تم اپنا حصّہ نہیں لے سکتے۔"

"پاگل نہ بنو۔" جُمعہ خان دھاڑا۔ "مجھے انجن خراب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تو پھر یہ کس کا کام ہے؟"

"یہ کام میرا ہے۔" کمال درخت پر بیٹھا ہوا آہستہ آہستہ عاقِب اور نسیم کو بتا رہا تھا۔ "جب میں تمہیں آزاد کر رہا تھا تو میں نے دانتوں سے انجن کے کچھ

تار کاٹ دیے تھے۔"

"تم تو بڑے کمال کے آدمی ہو۔" نسیم نے کہا۔

"تم بھی کم کمال کے نہیں ہو۔" کمال نے کہا۔ "بنے پھرتے ہیں سُراغ رساں اور بندھے پڑے ہیں موٹر بوٹ میں۔"

اُسی لمحے اچانک دو موٹر بوٹوں کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔ ان پر بڑی بڑی لائیٹیں لگی ہوئی تھیں۔ یہ پولیس تھی۔ موٹر بوٹوں کے آتے ہی جزیرے کے ساحل پر روشنی پھیل گئی۔ بلّو نے آناً فاناً نوٹوں کی بوری کندھے پر اُٹھائی اور جمّی کو واپس بھاگنے کا اشارہ کیا۔ وہ اُدھر ہی کو بھاگے آ رہے تھے جدھر لڑکے درخت پر چھپے بیٹھے تھے۔

"تیار ہو جاؤ!" کمال نے کہا۔

نسیم، عاقِب اور کمال نے جلدی جلدی درخت کی کچھ ٹہنیاں توڑ کر راستے میں پھینک دیں۔ یہ ایک تنگ سا راستہ تھا اور اس کے دونوں طرف اُونچی

اُونچی پتھریلی سی چٹانیں تھیں۔

بلّو، جمّی اور جُمعہ خان بھاگتے ہوئے اُدھر سے گزرے تو ٹہنیوں میں اُلجھ اُلجھ کر گِر پڑے۔ ان کے گِرتے ہی تینوں لڑکے چھلانگیں مار کر اُن پر آ پڑے۔

سب سے پہلے کمال نے جُمعہ خان کی بندوق چھینی اور اُن تینوں پر تان لی۔
"خبردار! کوئی حرکت نہ کرے!"

نسیم اور عاقِب نے تینوں کے ہاتھ پیچھے کر کے انہی کے بیلٹوں سے باندھ دیے۔ وہ اس کام سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ اچانک بلّو نے عاقِب کے ٹکر ماری اور پھر کمال کو ٹکر مار کر گِرا دیا۔ اسی وقت جمّی نے نسیم کے ٹکّر ماری۔ تینوں لڑکے زمین پر گِرے ہی تھے کہ بلّو اور جمّی جُمعہ خان کو گھسیٹتے ہوئے ساحل کی طرف لے گئے مگر اب یہ سب کچھ بے سُود تھا۔ پولیس کے سپاہی موٹر بوٹوں سے اُتر کر جزیرے پر آ چکے تھے۔ انہوں نے تینوں ملزموں کو قابو میں کر لیا۔ پولیس انسپکٹر نے ملزموں کو اپنے سامنے

ہتھکڑیاں لگوا دیں۔ تب اُس نے دیکھا کہ نسیم، عاقِب اور کمال بھی اس کے سامنے کھڑے ہیں۔

"شکر ہے تم لوگ زندہ سلامت ہو۔" انسپکٹر نے کہا۔ "مگر، کمال! تم یہاں کیسے؟"

"جناب، اسی نے ہماری جان بچائی ہے، ورنہ جمّی، بلّو اور جُمعہ خان نے تو ہمیں مارنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔" نسیم نے کہا۔

"لیکن یہ یہاں کس لیے آیا تھا؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"میں جُمعہ خان کی نگرانی کرنے آیا تھا۔ مجھے جُمعہ خان پر شُبہ تھا کہ اس نے مجھے قید کرایا ہے اور یہ واقعی ڈاکوؤں کا ساتھی نکلا۔"

"اور آپ یہاں کیسے آ گئے؟" نسیم نے انسپکٹر سے کہا۔ "یوں ایکا ایکی؟"

"یہ تمہارے دوست عنبر کا کرشمہ تھا۔" انسپکٹر نے بتایا۔ "اب سے ٹھیک آدھ گھنٹے پہلے وہ چھینکتا، سُوں سُوں کرتا، ہانپتا کانپتا میرے پاس آیا اور میں

فوراً پولیس لے کر یہاں آ پہنچا۔“

اسی لمحے عنبر جھجکتا ہوا موٹر بوٹ کے کیبن میں سے نکلا اور بولا۔ ”مجھے تم لوگوں کے جانے کے پندرہ بیس منٹ بعد یہ خیال آیا کہ تمھیں رات کے وقت یہاں بھیج کر میں نے کتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ یہ خیال آتے ہی سیدھا انسپکٹر صاحب کے پاس پہنچا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ انسپکٹر صاحب نے میری باتوں کو سچ مان لیا اور فوراً یہاں آ گئے۔“

سب لوگ موٹر بوٹوں میں سوار ہو کر شہر واپس پہنچ گئے جہاں جلال، انور اور جعفر اُن کے منتظر تھے۔

”بھئی، آخر کار تم نے خزانہ ڈھونڈ ہی نکالا۔“ جلال نے کہا۔

”یہ تو تھوڑا سا خزانہ ہے۔“عنبر نے اشرفیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”بہر حال، کمال کے لیے کافی ہے۔ لیکن اصل خزانہ تو ہم اب کے ڈھونڈ کے آئے ہیں۔“

"اصل خزانہ؟" جلال اور انور نے حیرت سے کہا۔

"ہاں، ہمیں خزانہ ملا ہے، مگر وہ حکومت کا ہے۔ پورے دس لاکھ روپے۔"

"بھئی، پوری تفصیل بتاؤ۔ کیسے دس لاکھ روپے؟" انور نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ جب ہم یہاں آتے ہی جزیرہ ہاتھ پر بے یار و مددگار چھوڑ دیے گئے تو میں نے سوچا کہ کوئی شخص ایسا ہے جو ہم لوگوں کا یہاں آنا پسند نہیں کرتا کیوں کہ ہم یہاں سُراغ رسانی کرنے آئے تھے۔"

"دراصل یہ لوگ چوری کر کے آپ کے جزیرے سے بھگانا چاہتے تھے تاکہ جزیرہ ویران رہے اور یہ لوگ اپنا کام مکمل کر سکیں۔ جُمعہ خان ان کا ساتھی تھا۔ جس دن ہم تینوں میں یہاں آئے، اُس نے جان بوجھ کر سونی کے بھُوت کا بہروپ بھرا تاکہ لوگ دہشت زدہ ہو جائیں۔"

"مگر یہ بات تو اگلے دن اس نے ہمیں بتا دی تھی۔" جلال نے کہا۔

"ہاں بتا تو دی تھی۔" عنبر نے کہا۔ "مگر وہ تو مجبوری تھی۔ وہ اس جزیرے

کا چوکیدار جو تھا۔ اسے بتانا پڑا۔ ورنہ آپ اسے نوکری سے نکال دیتے اور اسے جزیرے سے جانا پڑتا۔"

"لیکن تم اس نتیجے پر کیسے پہنچے؟" جلال نے کہا۔

"وہی تو میں بتارہا ہوں۔" عنبر نے کہا۔ "بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کہ ہمیں ان لوگوں کی تلاش تھی جو فلم کمپنی کو ڈھانچوں کے جزیرے سے بھگانا چاہتے تھے۔ اس سلسلے کی دوسری اہم کڑی ڈاکے کی وہ کہانی تھی جو دس سال پہلے بلّو اور جمّی نے ڈالا تھا۔ بیگم گُل اور ڈاکٹر وُود سے پوچھنے پر مجھے معلوم ہوا کہ سونی کا جو بھُوت سالوں پہلے نظر آنا بند ہو گیا تھا، وہ دس سال پہلے پھر سے نظر آنے لگا تھا۔

"اس طرح میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ڈاکے کی رقم کا جزیرے سے کوئی گہرا تعلق ہے۔ کیا؟ یہ میں نہ جان سکا۔ اس کے بعد پرسوں عاقِب، نسیم اور کمال جزیرہ ہاتھ میں پھنس گئے اور کمال نے مجھے اشرفیوں کی پوٹلی تھمائی۔ اس سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ کن کٹے کپتان نے اپنا خزانہ کھو کھلے

جزیرے پر کسی شگاف میں چھپایا تھا جو بہتے بہتے نیچے سمندر میں چلا گیا۔ کن کٹے کپتان کے اِن الفاظ نے میری بڑی مدد کی کہ اس کا خزانہ کھو کھلا بھُوت ہضم کر چکا ہے۔ جزیرہ بھی کھو کھلا تھا۔

پھر جب میں نے بلّو ڈاکو کے اِن الفاظ پر غور کیا کر اس کا روپیہ بھی کھو کھلا بھُوت ہی کھا چکا ہے تو میں نے سوچا کہ اس نے اُلٹی ترکیب سوچی ہے۔ اس نے خزانہ ڈھانچوں کے جزیرے پر چھپایا ہے اور نام کھو کھلے جزیرے کا لیا ہے تا کہ لوگ ڈھانچوں کے جزیرے پر نہ جائیں۔ اس بات کو اس خیال سے بھی تقویت ملتی ہے کہ خزانہ چھپانے کے بعد ہی اُن کے ایک ساتھی (جُمعہ خان) نے آج سے دس سال پہلے بھُوت پھر سے دکھانا شروع کر دیا تھا۔

اُدھر بلّو کے بارے میں دو باتیں ہوئیں۔ ایک تو وہ خود مجھے چُوک میں دھمکانے کے لیے ملا اور اُدھر انسپکٹر نے مجھے بتایا کہ وہ بلّو ہی ہو سکتا ہے۔ اس بات سے میں سمجھ گیا کہ اس سارے چکّر میں بلّو، جمّی اور جُمعہ خان

شریک ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ میں نے نسیم اور عاقِب کو یہ کیسے بتا دیا کہ دس لاکھ روپے کے نوٹ ڈھانچوں کے جزیرے کے ایک غار میں موجود ہوں گے، تو یہ بالکل آسان بات ہے۔ اس جزیرے پر غار کے سوا اور کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں دس لاکھ روپے چھپائے جاسکتے اور دس سال تک حفاظت سے رکھے رہتے۔ البتّہ اس راز کا جُمعہ خان کو پتا نہ تھا۔ ورنہ وہ رقم نکال کر ہڑپ کر لیتا۔"

انور نے ایک ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نہ آتے تو یہ سب کچھ ایک راز ہی رہتا اور یہ بدمعاش کسی غیر ملک میں جا کر عیش کرتے۔"

اچانک عنبر کی ناک میں زور سے کھجلی ہوئی اور بے اختیار اس کا منہ کھلتا چلا گیا۔ "ہاں۔۔۔۔ آں۔۔۔۔ آں۔ ہاپ۔۔۔۔ چھیں۔" اسے ایک زوردار چھینک آئی اور سب لوگ بے اختیار ہنس پڑے۔